لیلاوتی

احمد شاہ کا راجہ پربت سنگھ کی حسین بیٹی لیلاوتی
پر عاشق ہو کر شادی کی درخواست کرنا۔ راجہ کا
انکار۔ جنگ و جدل۔ راجپوتوں کی سرفروشیاں۔
بہادر شاہزادی کا نہایت عاقلانہ طریقے سے احمد شاہ
کو ہلاک کر کے باپ کا بدلہ لینا۔ نہایت دردانگیز اور
تاریخی واقعہ

مؤلفہ
ٹھاکر اچھر چند صاحب مصنف راماین طرز ناول
مہابھارت۔ کرشن کماری۔ درگاوتی۔
شکنتلا۔ نور دیوی۔ راج کماری وغیرہ وغیرہ

سنہ ۱۹۰۵ء

سیوک پریس لاہور میں چھپی

سرزمین سندھ میں وہ خوشنما جھیل جو سلور لیک کے نام سے مشہور ہے اپنی بل کھاتی ہوئی موجوں سے جو ہوا کے زور سے پیدا ہو رہی ہیں کسی کی جبین پُرشکن کا نظارہ دکھا رہی ہے۔ اس وقت ایک پہر بھر رات گزر چکی ہے۔ شفاف پانی میں نیلگوں آسمان اور چمکدار ستاروں کا عکس کچھ عجب لطف پیدا کر رہا ہے۔ ماہتاب اپنے نورانی چہرے کو کبھی ابر

کے نقاب میں چھپا لیتا ہے کبھی اُلٹ کر عالم کو روشن کر دیتا ہے۔ سناٹے کا عالم ہے اور شب زندہ دار زاہدوں کے علاوہ کوئی بھی ایسا نہیں جو اس فرحت بخش نظارہ کا لطف اُٹھائے مگر وہ بھی خاموشی کے ساتھ ایزد بیچوں کی طاعت ادا کر رہے ہیں ۔

جھیل کے کنارے بہت دور تک قدرتی اُگے ہوئے پودوں اور بیل بوٹوں کا سلسلہ چلا گیا ہے اور اُن کے سبز سبز پتوں میں جو اس تاریکی آمیز نور میں سیاہی مائل نظر آتے ہیں سفید کھلے ہوئے پھول ظلمات اور آبحیات کا نقشہ دکھلا رہے ہیں ۔

جھیل کے عین وسط سے دلکش ترانوں کی سُریلی آوازیں سنائی دے رہی ہیں جو رفتہ رفتہ بلند ہوتی جاتی ہیں ۔ یہ آوازیں ایک زرّین کشتی سے نکل رہی ہیں اور اُس کا سُرخ پھریرہ ہوا میں لہرا رہا ہے گو چاند کے نور آگین چہرے نے شمع کی ضرورت نہیں رکھی مگر کشتی کی سُرخ و سبز بوقلموں مشعلوں نے کچھ عجب دل پسند رنگ پیدا کر دیا ہے ۔

کشتی کے درمیان ایک تخت نہایت تکلف سے بچھایا گیا ہے اور اُس کے اوپر سندھ کا مغرور بادشاہ احمد شاہ بیش بہا لباس پہنے اور پارعب چہرہ بنائے بیٹھا ہے ۔

احمد شاہ بالطبع ایک عیاش بادشاہ تھا اس لئے اُس کا دستور تھا کہ موسم گرما میں وہ اپنے دار الخلافہ کو چھوڑ کر اکثر اس خوشنما جھیل کے کنارے سنگ مرمر کے بنے ہوئے محل میں رہتا اور اپنے دن عیش و عشرت سے بسر کیا کرتا تھا ۔ چنانچہ آج بھی رات کے وقت کشتی میں بیٹھا ہوا جھیل کی سیر کر رہا ہے ۔ دائیں ہاتھ پر وزیر کی کرسی ہے ۔ بائیں طرف دو تین مصاحب بیٹھے ہیں اور سامنے

اور پیچھے چند مسلح سپاہی ہاتھوں میں ننگی تلواریں لئے کھڑے ہیں۔ تخت کے آگے چند خوش گلو اور حسین گویا عورتیں مودب بیٹھی ہوئی اپنے کام میں مشغول ہیں۔ ان کی خوشگوار اٹھتی ہوئی تانیں اور دلکش رسیلی آوازیں آسمان پر کی زہرہ اور زمین پر کے جھیل کے جانوروں کو بیتاب کر رہی ہیں +

وہ اشعار جو یہ الاپ رہی ہیں عموماً احمد شاہ کی تعریف سے بھرے ہوئے ہیں جن کو سن سن کر بادشاہ فرط انبساط سے جھوم رہا ہے اور در حقیقت فرعون بے سامان بنا بیٹھا ہے۔

تعریفی اشعار کے بعد حسن و عشق کے گیت گائے جانے لگے اور بادشاہ کی ہر ایک ادا سے پایا جاتا تھا کہ وہ ان کو دل سے پسند کرتا ہے ٭

اس اثنائے میں ایک قوال نے ایک ہندی گیت گایا جس میں لیلاوتی کے حسن دلاویز کی بے انتہا تعریف کی گئی تھی۔ الفاظ کچھ ایسے دلکش اور موثر تھے کہ بادشاہ بے قرار ہوگیا۔ پیرنا بالغ دل میں ایک امنگ پیدا ہوئی۔ ولولے جوش میں آئے اور قوال سے یوں مخاطب ہوا:-

احمد شاہ - یہ لیلاوتی کون تھی؟

قوال - جہان پناہ تھی نہیں بلکہ ہے۔

احمد شاہ - ہاں؟

قوال - خداوند نعمت!

احمد شاہ - تو کیا وہ ویسی ہی حسین ہے جیسا کہ تم نے بیان کیا؟

قوال - جہان پناہ سننے میں تو ایسا ہی آتا ہے مگر ہوگی بھی حسین۔ کیشر آخر جھوٹ ہی تو نہیں کہتے۔

احمد شاہ - تو پھر وہ غضب کی حسین ہے! کیا وہ کوئی رانی ہے؟

قوال - حضور کا خیال بالکل درست ہے۔

احمد شاہ - کیا اس کی شادی ہو چکی ہے؟

قوال - حضور نہیں! وہ ابھی کنواری ہے۔

قوال کے ان الفاظ پر احمد شاہ کے دل میں کچھ اور ہی خیال پیدا ہوا اور وہ اس طرح کہنے لگا۔

احمد شاہ - اچھا تو وہ کس راجہ کی لڑکی ہے؟

قوال - یہ راجہ پربت سنگھ کی حسین بیٹی ہے۔

احمد شاہ - (وزیر کی طرف مخاطب ہو کر) پربت سنگھ! کیا وہ ہوڑی کا راجہ تو نہیں؟

وزیر - (مؤدب کھڑا ہو کر) ہاں! حضور! یہ وہی پربت سنگھ ہے

احمد شاہ - (قوال سے مخاطب ہو کر) اچھا! اگر وہ سچ مچ ویسی ہی خوبصورت ہے جیسا کہ تم نے بیان کیا تو میں اس سے ضرور شادی کرونگا۔ اگر ایسا نہ ہوا تو تمہارا سر ان جھوٹی صفات کے بدلے قلم کر دیا جائے گا۔

یہ کہہ کر احمد شاہ نے حکم دیا کہ اس کی کشتی کنارے کی طرف لے جائی جائے۔

فوراً حکم کی تعمیل کی گئی - کشتی محل کی طرف پلٹ کر آہستہ آہستہ روانہ ہوئی اور بادشاہ سر جھکائے دل ہی دل میں خیالات کے مزے لینے لگا۔ اس وقت اس کے دل و دماغ میں مختلف خیالات گونج رہے تھے اور لیلاوتی کی خیالی تصویر اس کی آنکھوں کے سامنے پھر رہی تھی۔ ایک شاعر نے کیسا سچ کہا ہے ؎

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد ✤ بسا کین دولت از گفتار خیزد

احمد شاہ سندھ کی تواریخ میں بے شک ایک جری اور شجاع بادشاہ گزرا ہے مگر وہ حسن و عشق کے میدان میں بھی سب دوسروں سے بڑھ کر قدم مارتا تھا۔ اس کی بزم دل آرا کی کہانیاں عشرت پرستوں کے جلسے کی آرائش شمار کی جاتی تھیں۔ اس میں شک نہیں کہ بالطبع دنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں جو اچھی چیز کو پسند نہ کرے اور اسی کا نام عشق ہے لیکن یہ مادہ نسبتاً احمد شاہ کے خمیر میں زیادہ تھا۔ اس کی طبیعت کو کھینچنے کے لئے کسی حسین کا اس کے سامنے ذکر کرنا کافی تھا۔ وہ فوراً ہی لٹو ہو جاتا۔ چونکہ ان دنوں اس کا ستارہ بلندی پر تھا اور اس کی طوطی ساتویں آسمان پر بول رہی تھی اس لئے اس طاقت سے وہ اپنے ان ارادوں میں کامیاب بھی ہو جاتا تھا اکثر حسین عورتیں اس کے حرم میں داخل ہو چکی تھیں اور بہت سی ان میں ایسی بھی تھیں جو بلا رضامندی ان کے والدین سے چھین لی گئی تھیں۔ لیکن جیسا کہ مسلمان بادشاہوں کا دستور تھا احمد شاہ کے دل کو اب بھی سکون نہ تھا۔

مشہور ہے کہ جس قوم پر تباہی اور ادبار آنے کو ہوتا ہے اس میں انجام اندیشی نام کو نہیں رہتی - عیش پرستی حد سے بڑھ جاتی ہے لغو خیالات اور رذائل جذبات غلبہ پا جاتے ہیں - مزید بریں احمد شاہ کا دربار شاعروں سے بھرا ہوا تھا اور وہ خود بھی شاعر تھا لیکن ایشیائی شاعری کے لئے حسن و عشق لوازمات میں سے ہیں - کسی شاعر کی کوئی غزل اس مضمون سے خالی نہیں ہوتی اور یہ وہ مضمون ہے جو نوجوان طبیعتوں پر بہت جلد قابو پا لیتا ہے خصوصاً وہ طبیعتیں جو ظاہری قیود و غم سے آزاد ہوں - بادشاہ کا مزاج ان معاملات کے لئے خاص کر نہایت ہی موزوں تھا - لیلا وتی کے حسن کی تعریفیں قوال نے کچھ کم مؤثر الفاظ میں بیان نہ کی تھیں بلکہ وہ الفاظ نہایت چبھنے دار الفاظ تھے جنہوں نے احمد شاہ کے دل پر نہایت آسانی سے قبضہ کر لیا - وہ واپس محل میں آیا - آرام کے لئے پلنگ پر لیٹا لیکن نیند کہاں ؟ آرام کیسے ؟ تمام رات کروٹیں بدلتا رہا ! مشکل سے رات بسر ہوئی یا یوں کہو کہ آنکھوں میں کٹی - پلک پھر آرام حرام تھا -

خدا خدا کر کے رات ختم ہوئی - آفتاب نمودار ہوا اور احمد شاہ اپنے پرائیویٹ کمرہ میں ایک زرّین کرسی پر بیٹھا ہوا دکھائی دے رہا ہے سامنے ایک مسلمان افسر کھڑا ہے - بادشاہ کی پیشانی پر پسینہ کے باریک قطرے نمودار ہیں ؟ شاہی تاج سر پر سے کسی قدر خم کھا گیا ہے اور اس کی نگاہیں جو زمین کی طرف جھکی ہوئی ہیں ظاہر کر رہی ہیں کہ وہ اس وقت کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا ہے -

تھوڑی دیر کے بعد بادشاہ نے سر اٹھایا اور کہا -

احمد شاہ - تم جانتے ہو کہ بدولت اپنی تمام رعایا کے ساتھ

کیسا منصفانہ سلوک کرتے رہتے ہیں ✣

مسلمان افسر۔ (دست بستہ ہوکر) بجا ارشاد ہوا جہاں پناہ!

بادشاہ۔ اچھا تو تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ مابدولت اپنی رعایا کو خواہ وہ کوئی مذہب رکھتی ہو اور کسی ملت کی پابند ہو ایک نظر سے دیکھتے ہیں۔

مسلمان افسر۔ بجا! بجا!

بادشاہ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ مابدولت کے نزدیک ہندو مسلمان میں کچھ بھی فرق ہے یا کوئی ہندو تعصب کی نظر سے دیکھا جاتا ہے ✣

مسلمان افسر۔ ہرگز نہیں! ہرگز نہیں! بندگان والا کے الطاف عام پر ہسادی ہیں ✣

بادشاہ۔ اچھا! تو پربت سنگھ کے پاس جاؤ اور یہ تمام باتیں اس کو سمجھا کر اچھی طرح اس کے ذہن نشین کراؤ۔

مسلمان افسر بادشاہ کی گفتگو کا کچھ بھی مطلب نہ سمجھا لیکن کہنے لگا۔

مسلمان افسر۔ بہت بہتر!

بادشاہ۔ لیکن یہ کیوں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ پربت سنگھ کی ایک نہایت حسین لڑکی ہے اور اس کی حد سے بڑھی ہوئی تعریفوں کو سن کر ہمارے دل میں ازحد خیال پیدا ہوگیا ہے پس ہمارا ارادہ ہے کہ خوبصورت لیلا دتی سے شاہی محل کی زینت بڑھائی جائے۔ یہ بات نہایت سہولیت سے اس کو سمجھا دینا اور یہ بھی کہہ دینا کہ ہماری اس خواہش کو پوری کرنے کے بدلے

اُس کے ساتھ نہایت عمدہ سلوک کیا جائے گا۔ اچھا! اب تمہیں زیادہ سمجھانے کی ضرورت نہیں تم خود عقلمند ہو۔ رقعہ کو اس کے ہاتھ میں دے کر، یہ ہمارا خط ہے۔ رخصت۔

مسلمان افسر نے جُھک کر سلام کیا اور باہر نکل گیا۔

راجہ پربت سنگھ کا دربار

راجہ پربت سنگھ اپنے دربار میں تخت پر سر جُھکائے بیٹھا ہے۔ دائیں بائیں راجپوت سردار اور معزز عہدہ دار سادہ قسم کی کرسیوں پر نہایت غمگین اور ایک قسم کی حیرت انگیز اداسی میں نظر آرہے ہیں۔ اس کی وجہ شاید آج راجہ صاحب کی پیشانی کی سلوٹیں اور خلاف معمول ان کا تمتمایا ہوا چہرہ ہے۔ بے شک اس وقت راجہ صاحب کی آنکھوں سے خون برس رہا ہے۔ اُن کا ہاتھ رہ رہ کر تلوار کے قبضہ پر جا پڑتا ہے لیکن حاضرین میں سے ایک شخص بھی ایسا نہیں جس کو ابھی تک اس کا کچھ حال معلوم ہو۔

کچھ دیر تک چاروں طرف سناٹا رہا۔ حاضرین کی خوف زدہ نگاہیں جن کو دُزدیدہ نگاہیں کہنا زیادہ مناسب ہوگا اُٹھ اُٹھ

کر راجہ صاحب کے جھکے ہوئے سر پر دریافت حال کی غرض سے پڑتی رہیں لیکن کوئی بھی معلوم نہ کر سکا کہ آج مہاراج کی یہ کیفیت کیوں ہو رہی ہے اور ان کے غیظ و غضب کے تھرمامیٹر کا پارہ اس قدر بلندی پر کیوں چڑھا ہوا ہے ؟

ہاں! اس وقت حاضرین دربار میں سے ہر ایک کو اپنا ہی فکر لگ رہا تھا اور وہ سوچتا تھا کہ کہیں اس غضب کا پہاڑ اسی کے سر پر نہ ٹوٹ پڑے۔ وہ اپنی زندگی کے واقعات کو یکے بعد دیگرے یاد کرتا تھا اور جس وقت کوئی ایسا واقعہ اُس کی آنکھوں کے سامنے پھر جاتا تھا جس سے وہ کبھی کسی گناہ کا مرتکب تو ہو چکا تھا لیکن حسن اتفاق یا کسی چالاکی سے یہ بھید کھلنے نہ پایا تھا تو وہ فوراً کانپ جاتا تھا اور سمجھتا تھا کہ ضرور اُسی کے قصور کی خبر مہاراجہ کے کانوں تک پہنچنے سے آج وہ اس قدر غضبناک ہو رہے ہیں اور کچھ تعجب نہیں کہ ابھی ایک لمحہ کے اندر ہی یا تو وہ سر دربار قتل کروا دیا جاوے یا جلادوں کے حوالے کر دیا جائے اس پر بھی حاضرین کی بار بار اُٹھنے والی نگاہیں راجہ کے رعب سے آگے اسقدر جرات ہرگز نہ کر سکتی تھیں کہ اس سکوت کے عالم میں آنکھ جھپکنے سے زیادہ عرصہ تک اس کے جھکے ہوئے سر پر پڑ سکیں۔

آخر کار راجہ صاحب نے اپنا جھکا ہوا شاہانہ سر اُٹھایا۔ اول تمام حاضرین دربار پر ایک سرسری نگاہ ڈالی اور پھر اس طرح کہنے لگے۔

راجہ پربت سنگھ۔ ہاں! تو میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا تمہاری رگوں میں وہی خون دورہ کر رہا ہے جو کہ تمہارے بزرگوں کے پاک اور پوتر جسموں میں گشت کیا کرتا تھا ؟ کیا ابھی تک تم میں بزرگوں کی سی حمیت اور غیرت باقی ہے ؟ کیا تم اپنی عزت

اور آبرو کی قدر سمجھتے ہو؟ بناوٹ کی کچھ ضرورت نہیں جو کچھ ہے صاف صاف جواب دینا۔

راجہ کی گفتگو کے الفاظ نہایت جوش سے بھرے ہوئے تھے لیکن ان کا ماحصل کسی کی سمجھ میں نہ آیا اور سب نے اپنی اپنی جگہ کھڑے ہو کر کہا۔

حاضرین ۔ (یک زبان ہو کر) کیوں نہیں؟ آخر ہم بھی تو انہی راجپوتوں کی اولاد ہیں جنہوں نے اپنی عزت اور آبرو کے بدلے اپنی جانوں تک کو قربان کر دینے سے دریغ نہیں کیا! بلکہ وہ جانوں کو عزت اور ناموس کے مقابلہ میں بالکل ہیچ سمجھتے تھے۔ ہماری رگوں میں بھی بیشک وہی خون دوڑتا پھرتا ہے۔ ہم بھی اپنی عزت کے مقابلہ میں اپنی جانوں کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ ہمارے سر ہر وقت مہاراجہ کے قدموں پر نثار ہونے کو تیار ہیں لیکن سری مہاراج! ابھی تک ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ اس بات کے دریافت کرنے سے مہاراج کا مدعا کیا ہے؟ کیا ان جان نثاروں کی طرف سے کسی قسم کی بدگمانی ہے یا ان کی فرمانبرداری میں کچھ شبہ پیدا ہو گیا ہے؟ اگر یہ صورت ہے تو ہمارے سر حضور کے سامنے خم ہیں۔ جلاد کو اسی وقت ہماری گردنیں اڑانے کا حکم دیا جائے پھر دیکھنا کہ کسی کے منہ سے اُف تک بھی نکلتی ہے کہ نہیں۔ بےشک ہم میں سے ایک بھی ایسا نظر نہیں آتا جو اپنے سر کو مہاراج کے قدموں پر نثار کر دینے کو تیار نہ ہو یا اس کو اپنا فخر نہ سمجھتا ہو۔

پربت سنگھ ۔ نہیں! نہیں! مجھ کو تمہاری طرف سے کسی قسم کا شک ہرگز نہیں ہے لیکن اس وقت کچھ ایسا ہی معاملہ

پیش آگیا ہے کہ میرے مُنہ سے مارے جوش کے یہ لفظ نکل گئے ہیں۔
اچھا! تم بیٹھ جاؤ۔ اور جو کچھ کہ میں تم کو کہنا چاہتا ہوں اس کو غور سے سنو اور اچھی طرح سوچ سمجھ کر اس کا جواب دو۔

اِس کے بعد پربت سنگھ نے دائیں ہاتھ بیٹھے ہوئے وزیر کی طرف دیکھا اور اس نے اپنی جیب سے ایک خط نکالا۔
پربت سنگھ۔ اچھا! تو تم اس خط کا مضمون سب کو سناؤ۔
وزیر۔ سری مہاراج! مجھے تعمیل ارشاد میں کچھ عذر نہیں لیکن میری زبان اس گندے خط کے ناپاک مضمون کو ادا کرنے کا حوصلہ نہیں کر سکتی۔
پربت سنگھ۔ یہ درست ہے لیکن اس خط کا مطلب ان سب پر بھی ظاہر ہونا ضروری ہے۔ تم ضرور اس کو پڑھو۔
وزیر۔ اچھا! مہاراج کی مرضی! لیکن یہ گندے الفاظ میں کس طرح بیان کر سکوں گا؟
پربت سنگھ۔ اس کی کچھ پرواہ نہیں تم ضرور پڑھو۔

بوڑھا وزیر خط ہاتھ میں لے کر با ادب اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا اور خط پڑھنے لگا۔ خط کا مضمون یہ تھا۔

"چونکہ ہم نے نیلاوتی کے حسن و جمال کی از حد تعریفیں سُنی ہیں اس لئے ہمارا مصمم ارادہ اس کے ساتھ شادی کرنے کا ہے۔ آپ بھی اس کو بخوشی منظور کریں۔ اس کے عوض میں جہاں تک مجھ سے ممکن ہوگا آپ کی اور آپ کی ریاست کی بہتری اور بہبودی

میں کوشش کرونگا - خدا کرے آپ خوشی سے میری بات کو مان جائیں اور مجھے اپنی مراد کے حاصل کرنے کے لئے کوئی دوسرا ذریعہ اختیار کرنے کا موقعہ نہ دیں ۔۔۔۔۔۔"

خط کے پڑھتے پڑھتے بوڑھے وزیر کی آنکھوں سے خون ٹپکنے لگا - اس کی آواز لحظہ بہ لحظہ رُکتی جاتی تھی لیکن کمال ضبط سے اس نے خط کے مضمون کو ختم کیا - جس کو سُن کر حاضرین دربار پر ایک قسم کی بجلی سی ٹوٹ پڑی - سب کے چہرے مارے غصے کے سُرخ ہو گئے اور حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگ گئے -

پریت سنگھ - (نہایت سہولت سے) اچھا! تو اب تم سب کی کیا رائے ہے ؟ کیا یہ ممکن ہے کہ راجہ پریت سنگھ کی بیٹی احمد شاہ کی حرم بنے ؟

پریت سنگھ کی گفتگو کا ایک ایک لفظ زہر آلودہ تیر کی نوک سے بھی بڑھ کر حاضرین کے دلوں پر بیٹھا سب کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے اور کمال ادب سے اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر کہنے لگے -

حاضرین - بس! بس مہاراج! ہمارے کان راج دُلاری کی شان میں ایسے ناشائستہ الفاظ سُننے کی تاب نہیں لا سکتے! آخر یہ تلواریں ہیں کس دن کے لئے ؟ یہ تیر کس روز کام آئیں گے ؟ بیشک اب انہیں احمد شاہ کے خون سے پیاس بجھانے کی اجازت ملنی چاہیئے -

پریت سنگھ سنے لیتے جا تھا - راجپوتوں کی اس گفتگو کو نہایت

ہی دلچسپی سے سُنا اس کا دل فرطِ انبساط سے بلیوں اُچھلنے لگا اور پھر ان کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

پربت سنگھ۔ بیشک! اب وہ وقت آگیا ہے کہ راجپوتی تلواریں نیاموں سے کھینچی جائیں لیکن یہ کس کے مقابلہ پر کھنچنے والی ہیں تم اس بات سے بھی بے خبر نہیں ہو۔ احمد شاہ جیسے زبردست بادشاہ کا جس کی طوطی آج کل ساتوں آسمان پر بول رہی ہے مقابلہ ہوگا۔ غالباً تم اس کی جنگی طاقت سے بھی ناواقف نہیں ہو۔ یہ ناممکن ہے کہ ہمارے جیتے جی ہوس پرست احمد شاہ لیلا دتی کی گرد تک بھی پہنچ سکے لیکن اس جنگ کا انجام کیا ہوگا وہ بھی تم سے پوشیدہ نہیں ہوگا۔

حاضرین۔ ہاں ہاں! ہم سب کچھ جانتے ہیں اور بخوبی سمجھتے ہیں لیکن ہم اس قدر بے غیرتی کے ساتھ اس دنیا پر زندہ رہنا نہیں چاہتے۔ ہمارے دل اب اتنا بھی برداشت نہیں کرسکتے کہ کچھ عرصہ تک صبر و تحمل سے احمد شاہ کی چالوں کا تماشہ دیکھ سکیں۔ اف! ایک مسلمان بادشاہ کی قلم سے نکلے ہوئے ایسے ایسے ناشائستہ الفاظ سن کر بھی ہم خاموش رہ سکیں۔ غیرتِ راجپوتی اب ہمیں اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتی۔

پربت سنگھ۔ میرے بہادرو! بے شک مجھے تم سے ایسی ہی امید تھی۔ تم بلاشبہ اپنی قومی عزت پر جانیں نثار کردوگے اور میں بھی اس بہادرانہ کھیل میں تم سب سے آگے ہوں گا لیکن ابھی تم کو ضبط سے کام لینا چاہیئے۔ اگرچہ تمہارا سچا جوش تمہیں اسی دم خونریزی کی طرف مائل کر رہا ہے اور یہ درست ہے کہ ایک بہادر راجپوت قوم ایسی بے حرمتی اور ذلت کو اور وہ بھی اپنے سردار کے ساتھ کسی طرح نہیں دیکھ سکتی لیکن میرے خیال میں مصلحتِ وقت

کو سوچ کر کام کرنا زیادہ بہتر ہوگا۔
حاضرین۔ (پڑے موہانہ الفاظ میں) تو وہ مصلحت وقت کیا ہے؟
کیا اب بھی کچھ سوچنے کی ضرورت ہے؟
پربت سنگھ۔ نہیں! کچھ زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں۔ اب بجز سرفروشی کے ہم سے کچھ نہیں بن سکتا۔ البتہ اتنا دیکھنا ابھی باقی ہے کہ ہماری ایک قلیل تعداد لشکر شاہی کے مقابلہ پر کس طرح اپنے دل کے ارمان نکال سکتی ہے۔
حاضرین۔ تو اس کی کچھ بھی ضرورت نہیں۔ ہمارا ایک ایک آدمی سو سو مسلمان جوان سے مقابلہ کر سکتا ہے۔ اگرچہ فتح کی امید محال ہے لیکن راجپوت کے لئے قومی آن اور اپنے آقا کے ننگ و ناموس کی حفاظت میں اپنی جان قربان کر دینا کوئی مشکل بات نہیں۔
پربت سنگھ۔ میرے خیال میں زیادہ مناسب ہوگا کہ احمد شاہ کے اس ناگوار پیغام کا جواب فی الحال نفی یا اثبات میں کچھ بھی نہ دیا جائے۔ اور ایلچی کو اس وعدہ پر کہ بادشاہ کے خط کا جواب باصواب اس کے پیچھے بہت جلد روانہ کیا جاویگا رخصت کر کے ہم لوگ قلعہ اہلوڑ میں جا کر جنگ کا معقول انتظام کریں اور سرفروشی کے لئے تیار ہو جائیں۔
سب نے راجہ کی اس رائے کو پسند کیا اور قاصد کو اسی دن رخصت کر دیا گیا ✤

راجہ پربت سنگھ کے عالیشان محل کا پائیں باغ نہایت خوشنما باغ ہے لیکن اس وقت رات کی تاریکی میں کچھ بھی سوجھائی نہیں دیتا۔ آسمان پر چھائے ہوئے ابر کے باعث اندھیرا اور بھی بڑھ گیا ہے اور اس وقت آسمانی قندیلیں یعنی ستارے بھی کچھ رہبری نہیں کر سکتے۔ ہاں! درختوں پر کے پرندے اس عالمگیر خاموشی میں کبھی کبھی کسی طرح کا کھٹکا ہونے پر اپنے آشیانوں میں چونک پڑتے ہیں اور رات کے سناٹے کو توڑ دیتے ہیں۔

جب سے احمد شاہ کا قاصد اس منحوس خط کو جس کا ذکر پچھلے باب میں ہو چکا ہے لے کر آیا ہے اُس وقت سے تمام مکانات پر افسردگی اور اُداسی چھائی ہوئی ہے اور جدھر نگاہ اُٹھتی ہے ایک قسم کا حیرتناک سماں آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔

یہ خوبصورت باغ جس میں دن کے وقت چہل پہل رہا کرتی تھی۔ اس وقت بالکل سنسان پڑا ہے۔ البتہ محل کے ایک چھوٹے سے کمرہ میں ایک لیمپ جل رہا ہے اور اس کی دھیمی دھیمی روشنی کھڑکیوں میں لگے ہوئے شیشوں سے باہر نکل کر چھن چھن کر باہر پڑ رہی ہے۔ کمرہ

کے اندر ایک خوبصورت نازنین ریشمی ساڑھی میں اپنے نازک جسم کو چھپائے بیٹھی ہے اور اس کے پاس ہی ایک خوبصورت نوجوان جس کو آپ صبح شاید دربار میں بھی دیکھ چکے ہیں ایک کرسی پر سر جھکائے اس انداز سے بیٹھا ہوا ہے گویا وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا ہے۔

یہ نازک اندام لڑکی جس کی کلائیوں میں جڑاؤ جواہرات کی بیش قیمت پہنچیاں جگمگا رہی تھیں کچھ دیر تک بڑی حیرانی کے عالم میں نوجوان کی طرف دیکھتی رہی اور پھر گھبرا کر کہنے لگی۔

نازنین۔ مجھے حیرت ہے کہ میں آج ایک دلیر راجپوت کے چہرے پر یاس و ناامیدی کے نشان دیکھ رہی ہوں!!!

نوجوان۔ (چونک کر) نہیں! کوئی ایسی بات نہیں ہے۔

نازنین۔ کوئی ایسی بات کیوں نہیں ہے! قبل ازیں میں نے تم کو کبھی ایسا اداس نہیں دیکھا۔ آخر اس کی وجہ کچھ تو ہے۔ صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتے؟

نوجوان کا چہرہ کسی بات کی یاد سے تمتما اٹھا اور اس کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ اگرچہ اس نے اپنے غصہ کو ضبط کرنے کی ہزار کوشش کی لیکن ضبط نہ ہو سکا۔ اس کی اس حالت کو دیکھ کر نازنین کی حیرانی اور بھی بڑھ گئی اور آنکھوں میں آنسو بھر کر کہنے لگی۔

نازنین۔ پیارے بھائی! کہہ کیوں نہیں دیتے کہ یہ معاملہ کیا ہے! ناتھ! اس قدر اضطرابی! رام سنگھ کے شجاع دل پر اس قدر مایوسی کا عالم! ایشور! یہ سر لا یہی کیا ہے!!!

نوجوان۔ لیلا وتی! اگرچہ میں نے بہت چاہا کہ اس بات کا حال تم پر ظاہر نہ کیا جائے اور پتاجی کی بھی یہی مرضی تھی۔ جس سے گھر کے تمام آدمیوں کو بھی یہ خبر تمہارے کانوں تک پہنچانے کی سخت

ممانعت کر دی گئی ہے لیکن افسوس کہ میں اس بات کو اپنے دل میں ضبط نہ کر سکا۔ اچھا! اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو میں تم کو بھی اس سے آگاہ کئے دیتا ہوں لیکن یہ خبر چونکہ ایک وحشت انگیز خبر ہے اس لئے میں ڈرتا ہوں کہ تمہارا نازک دل شاید اس کو سننے کی تاب نہ لا سکے گا۔

پیارے ناظرین اب آپ پر روشن ہو چکا ہوگا کہ یہ نازنین پربت سنگھ کی حسین راج کنیا لیلا وتی ہے اور دوسرا نوجوان اس کا چھوٹا بھائی رام سنگھ۔

لیلا وتی۔ نہیں بھائی! تم گھبراؤ مت۔ تمہاری بہن ایسی بزدل ہرگز نہیں ہے۔ آخر وہ بھی تو راجپوت کی لڑکی ہے۔ اس کا دل نازک ہی سہی لیکن وہ تمہارے اس اضطراب کے باعث کو سننے کے لئے بالکل تیار ہے اور خواہ یہ بات کیسی ہی رنج پہنچانے والی کیوں نہ ہو وہ اس کو سن کر کبھی بھی اطمینان کو ہاتھ سے نہ دے گی۔

اس پر رام سنگھ نے احمد شاہ کے خط اور اس کے قاصد کا سارا حال لیلا وتی کے آگے بیان کیا جس کو سن کر لیلا وتی مسکرا پڑی اور بڑی شانتی کے ساتھ کہنے لگی۔

لیلا وتی۔ تو پھر یہ کونسی بڑی بات ہے۔ اس کا فیصلہ ابھی ہو سکتا ہے۔ لیلا وتی تمہارے سامنے ہے۔ ذرا تلوار کو نیام سے کھینچو۔ بس ایک ہی وار میں سب جھگڑا فیصل ہو جائے گا۔

رام سنگھ۔ یہ کیوں؟ ہمارے جیتے جی کس کی مجال ہے کہ لیلا وتی کی طرف آنکھ بھر کر بھی دیکھ سکے۔

لیلا وتی۔ لیکن جب یہ جھگڑا یوں آسانی سے فیصل ہو سکتا ہے تو پھر اس کو طول دینے کی ضرورت ہی کیا ہے؟

رام سنگھ۔ بس! میں ایسے الفاظ سننے کی تاب نہیں لا سکتا۔ رام سنگھ کی تلوار لیلاوتی کی گردن پر! کیوں نہ یہ احمد شاہ کے گلے پر پھرے گی؟ لیلاوتی کی جان وہ قیمتی جان ہے جس کے بدلے ہزار جانیں نثار ہو جانے کو تیار ہیں۔

لیلاوتی۔ نہیں بھائی! لیلاوتی کی جان تمہاری جان کے آگے کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی۔ ایشور تم کو سلامت رکھے۔ اس ایک جان کے بدلے اس معاملہ کو طول نہ دینا ہی درست ہے۔ نہ لیلاوتی ہو گی نہ احمد شاہ تمہارے گلے کا ہار ہو گا۔ وہ ایک زبردست بادشاہ ہے۔ اس کو اپنی جنگی طاقت پر بھروسہ ہے لیکن اس طرف ہماری طاقت آئے دن کی خانہ جنگیوں سے سلب ہو چکی ہے اور اس بات کی بہت کم امید ہے کہ کوئی راجپوت راجہ بھی ہماری مدد پر کھڑا ہو پس اس حالت میں یہی بہتر ہے کہ تم میرا خاتمہ کر کے اس جھگڑے کو ہمیشہ کے لئے فیصل کر دو۔

رام سنگھ۔ (جگہ سے اٹھ کر) اچھا! تو اب میں جاتا ہوں میں تمہاری ان باتوں کو نہیں سن سکتا۔

لیلاوتی۔ (رام سنگھ کا دامن پکڑ کر) اچھا! تو اب میں کچھ نہیں کہتی لیکن یہ تو بتلاؤ کہ اب کون سی تجویز سوچی گئی ہے؟

رام سنگھ۔ وہی جو کہ ایسے موقعہ پر ایک غیرت مند راجپوت سوچ سکتا ہے۔ ہم نے احمد شاہ کے مقابلہ کا مصمم ارادہ کر لیا ہے اور اس کے اس ناپاک خط کا تلوار سے جواب دیا جاوے گا۔

لیلاوتی۔ ہاں! لیکن احمد شاہ کے مقابلہ میں ہماری جنگی طاقت بہت کم ہے؟

رام سنگھ۔ اس کی ہمیں کچھ پرواہ نہیں۔ کیا اکیلا شیر کبھی بھیڑوں کے ریوڑ سے ہراساں ہوا کرتا ہے؟

لیلاوتی۔ یہ درست ہے لیکن اِس جنگ کا انجام تو اچھا دکھائی نہیں دیتا۔

رام سنگھ۔ انجام خواہ کچھ ہی ہو لیکن اب ہماری چمکدار تلواریں کبھی بھی نیاموں میں نہیں رہ سکتیں۔

لیلاوتی نے اپنے نازک زیریں لب کو آبدار دانتوں کے تلے دبا لیا۔ اور سرد آہ بھر کر خاموش ہو گئی۔

رام سنگھ۔ ہیں! گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ اگرچہ احمد شاہ ہم کو بے طرح بے عزت کیا چاہتا ہے اور در اصل وہ ہمارے خاندان کی پیشانی پر ہمیشہ کے لئے بدنامی کا ٹیکہ لگانا چاہتا ہے لیکن اس کی یہ خواہش قیامت تک بھی پوری نہیں ہو سکتی۔

لیلاوتی۔ یہ درست ہے لیکن جنگ کے انجام اور اس کے ہیبتناک منظر کے خیال سے میرے رونگٹے کھڑے ہوئے جاتے ہیں۔ کاش! میں پیدا ہی نہ ہوتی یا پیدا ہوتے ہی مر جاتی!!!

(اس کے بعد بے تحاشا لیلاوتی کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگ جاتے ہیں)

رام سنگھ۔ (لیلاوتی کے رونے سے بیچین ہو کر) ایں! یہ کیا؟ تم رو کیوں رہی ہو؟ تمہاری بلا رنج کرے۔ جب تک اس قالب میں جان اور اس ہاتھ میں تلوار ہے کیا مجال کہ کوئی تمہاری طرف نگاہ بھر کر بھی دیکھ سکے۔

لیلاوتی۔ نہیں! میرا یہ رونا اپنے لئے نہیں ہے بلکہ یہ اس لئے ہے کہ محض میری خاطر ایک بلائے عظیم میرے خاندان کے سر پر آنے والی ہے۔ ہائے! صرف میرے ایک دم کے لئے یہ ساری مصیبت آپ لوگوں کے ۔۔۔۔۔۔۔۔

راجم سنگھ۔ (قطع کلام کرکے) ایسا ہرگز نہیں ہے وہ ظالم مدت سے ہماری ریاست پر دانت لگائے ہوئے ہے اور اب صرف ایک بہانہ تلاش لیا ہے۔

اسی طرح کچھ دیر تک دونوں بھائی بہنوں میں بہت سی باتیں ہوتی رہیں اور ان کی گفتگو کا سلسلہ اس وقت تک ختم ہونے میں نہ آیا جب تک کہ مشرق کی طرف سے حسب معمول صبح کی سپیدی نمودار ہوئی اور رفتہ رفتہ چاروں طرف پھیل کر تمام عالم کو منوّر کرنے لگی۔

پانچواں باب

یہ کیا؟

قاصد کو واپس آئے ایک ماہ کا عرصہ گزر چکا ہے چند دن تک تو احمد شاہ کو پختہ اُمید رہی کہ پربت سنگھ اس کی درخواست کو منظور کر چکا ہے اور عنقریب ہی شادی کا پیغام بھیجا چاہتا ہے لیکن جوں جوں دیر ہوتی گئی توں توں اس کے خیالات بھی الجھن پکڑتے گئے۔ لہذا ایک جاسوس کو تمام حال سمجھا کر روانہ کیا گیا تاکہ وہ خفیہ طور پر پربت سنگھ کے دارالخلافہ میں جا کر اس معاملہ میں تفتیش کرکے اصلی حال سے بادشاہ کو اطلاع دے۔

چنانچہ آج کئی دنوں کے بعد جاسوس واپس آگیا ہے اور

احمد شاہ کے ساتھ اس طرح باتیں ہو رہی ہیں۔

احمد شاہ - اچھا! تو تم نے کیا معلوم کیا؟

گوہر - (یہ اس جاسوس کا نام تھا) جہاں پناہ! غلام نے جو کچھ تحقیق کیا ہے اس کے عرض کرنے سے پہلے معافی کا خواستگار ہے۔

احمد شاہ - (چونک کر) کیوں؟ یہ کیا؟ جو کچھ کہنا ہو جلدی بیان کرو۔

گوہر - حضور مجھے پربت سنگھ کے خیالات اچھے دکھائی نہیں دیتے۔ وہ تو حضور کے ساتھ مقابلہ کی تیاریاں کر رہا ہے۔ اور اپنے راجپوتوں کو جنگ پر آمادہ کر کے قلعہ گیر ہو بیٹھا ہے۔

احمد شاہ - ہیں! کیا تم یہ سچ کہہ رہے ہو؟ کیا پربت سنگھ ہماری خواہش کے برخلاف کارروائی کیا چاہتا ہے؟ مگر نہیں! گوہر! تجھے ضرور دھوکا ہؤا۔ وہ ضرور شادی کے سامان میں مشغول ہوگا۔ پربت سنگھ کو ہمارے مقابلہ کا حوصلہ! بالکل ناممکن!

گوہر - نہیں جہاں پناہ! خطا معاف! ایسا نہیں ہے۔ غلام نے جو جو کچھ عرض کیا یہ بالکل درست ہے۔ چونکہ راجپوتوں کی تعداد شاہی فوج کے ایک ادنے حصے کے ساتھ بھی مقابلہ نہیں کر سکتی اس لئے وہ لوگ قلعہ بند ہو گئے ہیں اور اس طرح پر لشکر شاہی کا مقابلہ کرنے کی تیاریوں میں مشغول ہیں بلکہ سب سامان درست بھی کر چکے ہیں۔

غلام جاسوس کی زبانی یہ حال سن کر احمد شاہ نہایت متعجب ہؤا اس کا سر جھک گیا اور بڑی دیر تک نیچی نگاہیں کئے سوچتا رہا۔

اس وقت اس کے دل میں مختلف قسم کے خیالات جوش زن تھے۔ دراصل احمد شاہ ایک عیاش طبع بادشاہ تھا۔ اس کا دعویٰ

تھا کہ وہ ہر ایک مذہب کے ساتھ مساوی سلوک کرتا ہے لیکن عملی طور پر اس کے پاس اس کا کوئی ثبوت نہ تھا۔ عشق کا بھوت اس کے سر پر سوار تھا۔ وہ حسین لیلاوتی کے حسن و جمال کی تعریفیں سُن سُن کر لٹو بن چکا تھا اور اس کی تمنا میں وہ اپنی تمام طاقت صرف کر دینے کو تیار تھا۔ اُس نے کچھ دیر کے بعد اپنا جُھکا ہوا سر اُٹھایا اور گوہر سے یوں مخاطب ہوا:۔

احمد شاہ۔ گوہر! کیا واقعی یہ سچ ہے کہ پربت سنگھ ہمارے ساتھ رشتہ کرنے سے انکار کرنے کا حوصلہ رکھتا ہے؟

گوہر۔ جہان پناہ! یہ کب ہو سکتا ہے کہ غلام کوئی جھوٹی خبر حضور کے کانوں تک پہنچا سکے۔ میں نے اچھی طرح اطمینان کر لیا ہے۔ پربت سنگھ واقعی مقابلے کے سامان کر رہا ہے اور اپنی قوم کو جمع کر کے پرجوش تقریروں کے ذریعہ قومی حمیت کے پردہ میں ان کو حضور کے مقابلہ پر اُبھار رہا ہے۔

گوہر کے الفاظ کچھ ایسے موثر تھے کہ بادشاہ کی آنکھوں سے خون برسنے لگا۔ مارے غصہ کے اس کا چہرہ سُرخ ہو گیا اور اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لئے لیلاوتی کے باپ اور بھائیوں کے خون کا پیاسا بن گیا۔ قاصد کے واپس آنے پر وہ بہت دنوں سے پربت سنگھ کی طرف سے قبولیت کی خوشخبری سُننے کا منتظر تھا۔ لیکن غلام گوہر کی زبانی خلاف اُمید حال سُن کر اُس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

احمد شاہ۔ گوہر! اگر تمہارا یہ کہنا درست ہے کہ پربت سنگھ نے ہماری درخواست کی کچھ پرواہ نہیں کی تو میں بھی اس سے اچھی طرح سمجھوں گا۔ پربت سنگھ سمجھا ہی کیا ہے؟ شاید وہ میری تلوار کی

خون آشامی سے آگاہ نہیں۔ اچھا! میں اُس مغرور کو اُس کی گستاخی کی کافی سزا دوں گا۔ ہاں! وہ کس جگہ قلعہ بند ہوا ہے؟

گوہر۔ حضور! پہاڑی قلعہ اجمیر میں اس نے اپنے تمام ہم قوم راجپوتوں کو جمع کیا ہے۔

احمد شاہ۔ لیکن تم نے یہ کس طرح یقین کر لیا کہ اس نے جنگ کی نیت سے اپنے ہم قوموں کو جمع کیا ہے شاید اس کا کچھ اور ہی خیال ہو۔ اُس نے ہمارے قاصد کو بڑی عزت کے ساتھ روانہ کیا اور یقین دلایا تھا کہ ہمارے خط کا جواب بھی بہت جلد روانہ کریگا۔

گوہر۔ حضور یہ بھی ان کی ایک چال تھی۔ یک بہ یک انکار کر دینے سے اُس کو بڑے خطرے کا سامنا دکھائی دیتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اُس نے قاصد کے سامنے صاف طور پر انکار نہیں کیا۔ اور اس معاملہ کو کچھ دیر تک باتوں باتوں میں ٹال کر در پردہ جنگ کا سامان تیار کرنا مقصود تھا۔ چنانچہ اس کی یہ چال درست پڑ گئی۔ حضور اس کی باتوں پر بھول گئے اور وہ اندر ہی اندر اپنے سامان کی درستی کرتا رہا۔

احمد شاہ۔ تو پھر اس کی پرواہ ہی کیا ہے۔ البتہ ایک دفعہ پھر قاصد کو اُس کے پاس بھیجنا چاہیئے جو کہ پربت سنگھ کی نفی یا اثبات کا صاف صاف جواب لا کر ہم کو دے۔

گوہر۔ جیسا حضور کا ارشاد۔

اس کے بعد قاصد طلب ہوا اور تمام نشیب و فراز سمجھا کر پربت سنگھ کے پاس روانہ کیا گیا۔

قلعہ اہور

قلعہ اہور سرزمین سندھ میں ایک محفوظ قلعہ ہے۔ اس کی دیواریں سنگین ہیں اور ان کی بلندی حسب ضرورت ہونے کے علاوہ دروازے بھی نہایت مستحکم ہیں۔ آج تک یہ قلعہ غیر آباد صورت میں پڑا ہوا تھا اور صرف چند سپاہی اس کی حفاظت پر مامور تھے۔ لیکن اب چند یوم سے جب سے کہ پربت سنگھ نے اس میں آکر رہنا اختیار کیا ہے اس کی رونق پہلے سے ہزار گنا زیادہ بڑھ گئی ہے۔

پربت سنگھ ایک معزز راجپوت خاندان سے تھا اور اس کا خاندان راجپوتانہ میں اس لئے بھی عزت اور وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا کہ رانائے چتوڑ کی طرح اس نے بھی مسلمان بادشاہ سے رشتہ داری کرنے سے صاف انکار کیا تھا۔ پربت سنگھ بھی اپنے بزرگوں کے قدم بہ قدم چلنے کا دعویدار تھا یہی وجہ تھی کہ اس نے احمد شاہ کے پیغام کو نہایت نفرت اور حقارت کی نگاہوں سے دیکھا۔ اگرچہ اس کی اپنی طاقت بہت تھوڑی سی تھی اور احمد شاہ کے مقابلہ پر اس کو کامیابی کی کچھ بھی امید نہ تھی لیکن اسے یہ کسی طرح بھی منظور نہ تھا کہ وہ اپنی لڑکی احمد شاہ سے بیاہ کر

اپنے بزرگوں کی اُس نیک نامی اور شہرت پر بٹہ لگا دے جس کے لئے وہ صدیوں سے مسلمانوں کے مقابلہ پر اپنی عزیز جانیں قربان کرتے رہے تھے - واقعی وہ اس بات کے خیال تک کو بھی برداشت نہ کر سکتا تھا کہ اس کا بے عیب خاندان ہمیشہ کے لئے ذلت اور نکتہ چینی کی نگاہوں سے دیکھا جائے لیکن مشکل یہ تھی کہ وہ احمد شاہ کے مقابلہ کی بھی تاب نہ رکھتا تھا - اس وقت اس کی ریاست میں اتنی طاقت کہاں تھی کہ وہ کسی بڑی سلطنت کا مقابلہ کر سکے اور پھر خصوصاً احمد شاہ جیسے زبردست بادشاہ کا - باوجود ان تمام باتوں کے پربت سنگھ نے پھر بھی اپنے تمام راجپوتوں کو جو ہر طرح اُس کی مدد کرنے اور خصوصاً قومی عزت برقرار رکھنے کے لئے اُس کا ساتھ دینے اور اپنی جانیں قربان کرنے کو مستعد تھے خطوط بھیجکر بلوایا اور سب کے سب قلعہ انہور میں مجتمع ہوئے - اگرچہ ان سب کی تعداد دو ہزار سے زیادہ نہ تھی لیکن سب کے سب اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر قلعہ میں داخل ہوئے تھے اور پربت سنگھ کے قدم بہ قدم اپنے سر نثار کرنے کی قسم کھا چکے تھے - بیشک ان کو اپنی جانوں کی کچھ بھی پرواہ نہ تھی اور قومی جوش میں ہر شخص اپنی جان دینے کے لئے آمادہ تھا -

اسوقت راجہ پربت سنگھ قلعہ کے ایک فراخ کمرہ میں اپنے تخت پر بیٹھا ہوا ہے - دائیں بائیں دو کرسیاں بچھی ہیں جن میں سے ایک پر تو اس کا نوجوان لڑکا رام سنگھ ہتھیار لگائے نہایت ادب سے سر جھکائے بیٹھا ہے اور دوسری پر اس مختصر فوج کا سپہ سالار ٹھاکر بان سنگھ -

دفعتاً راجہ کی پیشانی پر بل پڑ گئے اُس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اس نے کسی قدر کرخت آواز میں حاضرین کی طرف جو اس

کے سامنے رام سنگھ اور مان سنگھ کے پہلو بہ پہلو درجہ بدرجہ اور سلسلہ وار کرسیوں پر مودب بیٹھے ہوئے تھے مخاطب ہو کر کہا۔

پربت سنگھ۔ میرے بہادرو! تم جانتے ہو کہ ہم اس قلعہ میں کس غرض سے جمع ہوئے ہیں؟ صرف اس لئے کہ ظالم بادشاہ کے ہاتھوں سے اپنی عزت کو محفوظ رکھیں۔ دراصل بادشاہ کا یہ ظلم صرف مجھ پر یا لیلا وتی پر ہی نہیں بلکہ تمام راجپوت قوم کے لئے بھی باعث ذلت ہے۔ تم خود سمجھ سکتے ہو کہ تمہارے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا ذلت کی بات ہو سکتی ہے کہ ایک غیر قوم اور غیر مذہب شخص تمہارے سردار کو زبردستی اپنی لڑکی دینے پر مجبور کر رہا ہے۔ بس اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو نہایت ہی صبر اور استقلال کے ساتھ اپنی عزیز جانیں ننگ و ناموس پر نثار کر کے اس بے عزتی اور ذلت کو قبول کرنے کے بجائے ہمیشہ کے لئے اپنا نام صفحہ ہستی پر روشن کر دیا جائے یا اگر جان دینا منظور نہ ہو تو قیامت تک نہ مٹنے والی بے عزتی اور بدنامی کا ٹیکہ اپنے ماتھے پر لگا لیا جائے۔ اب میں تم سے یہ سننا چاہتا ہوں کہ کیا تم ایسی زندگی کو موت پر ترجیح دیتے ہو؟

حاضرین۔ (یک زبان ہو کر) ہرگز نہیں! ہرگز نہیں! ایسی ذلت کی زندگی سے مرجانا ہزار درجہ بہتر ہے۔ ہم ہر طرح سے جان فروشی کے لئے تیار ہیں۔

پربت سنگھ۔ میرے جانبازو! مجھے تم سے ایسی ہی امید تھی۔ بے شک کوئی راجپوت بھی اس ذلت کو پسند نہ کر سکیگا۔ راجپوت کا فرض ہے کہ وہ اپنا جسم اپنی اور اپنی قوم کی عزت اور حمیت پر نثار کر دے لیکن میں اس وقت تم سے ایک اور بات دریافت کیا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ احمد شاہ کو ہماری ان تمام

طیاریوں کی خبر پہنچ چکی ہے اور یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ اگر وہ ہماری طرف سے ذرا بھی انکار کا اشارہ پائے گا تو وہ فوراً ہی اپنی کثیر التعداد سپاہ کے ساتھ ہم پر چڑھ آئیگا۔ اُس کے پہلے قاصد کو تو یوں ہی ٹال کر واپس کر دیا گیا لیکن اب ایک دوسرا قاصد اُس کی طرف سے آیا ہے اور اس بات کا خواہشمند ہے کہ بادشاہ کے پیغام کا جواب نفی یا اثبات میں جو کچھ دینا ہو اُسی کی معرفت دیا جائے۔

مان سنگھ سالار کا ہاتھ مارے جوش کے فوراً ہی تلوار کے قبضے پر جا پڑا اور اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر نہایت ادب سے کہنے لگا۔

مان سنگھ۔ تو وہ قاصد ہے کہاں؟

رام سنگھ۔ کیا وہ یہیں ہے اور ابھی تک زندہ ہے؟

پربت سنگھ۔ ہاں! وہ کل سے یہاں آیا ہوا ہے اور رات کے وقت تخلیہ میں مجھ سے ملا تھا مگر میں نے اس کی باتوں کو نہایت برداشت سے سُنا اور اس قدر ضبط سے کام لیا کہ اُسے اس بات کا ہرگز کچھ پتہ نہ لگا ہوگا کہ ہم بادشاہ کے پیغام کا جواب کس صورت پر دینے کو تیار ہیں۔

مان سنگھ۔ بس اب ہمارا جواب سوائے تلوار کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ ہمارے زہر آلودہ تیر ہی اب احمد شاہ کے خط کا کافی جواب دیں گے۔ اب ان جانثاروں کو زیادہ برداشت کی طاقت نہیں رہی۔ ہماری تلواروں کو نیاموں سے باہر نکل کر اپنے جوہر دکھلانے کا وقت آ گیا ہے۔ اب مہاراج کو زیادہ غور کرنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ آخر ہم لوگ ہیں کس دن کے لئے؟

ایک فوجی افسر۔ لیکن قاصد کو ذرا دربار میں بلانے کا حکم

کیوں نہیں دیا جاتا۔ ہم بھی دیکھیں کہ وہ کس حوصلہ پر ایسا پیغام لے کر آیا ہے کیوں ہم لوگوں کو اُس کا سر قلم کرکے خط کے جواب کے بجائے احمدشاہ کے پاس روانہ کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی ❊

پربت سنگھ - نہیں ایسا کبھی نہ ہونا چاہیئے۔ قاصد اور اس کا حوصلہ ہی کیا ؟ وہ بیچارا اپنے آقا کے حکم کی تابع ہے۔ ایلچی کو کبھی زوال نہیں۔ یہ بات جوانمردی کے شایاں نہیں کہ قاصد پر کسی قسم کی زبردستی کی جائے۔

مان سنگھ - ہمیں بھی مہاراج کے حکم سے انحراف نہیں لیکن اب احمدشاہ کو اپنے ارادہ سے صاف صاف آگاہ کر دینے میں کس بات کا تامل ہے ؟

پربت سنگھ - اب کچھ تامل نہیں۔ قاصد کو اسی وقت سر دربار بُلا کر رخصت کر دینا چاہیئے اور اپنے ارادہ سے احمدشاہ کو بھی صاف طور پر آگاہ کر دینا چاہیئے۔

قاصد دربار میں بُلایا گیا اور راجہ کے حکم سے ایک خط احمدشاہ کے نام لکھ کر اور مہر بند کرکے اس کے حوالہ کرنے کے بعد رخصت کر دیا گیا ❊

احمد شاہ اپنے ارکان دولت اور وزرائے سلطنت کے درمیان بیش بہا لباس پہنے تخت پر جلوہ افروز تھا کہ قاصد نے حاضر دربار ہو کر راجہ پربت سنگھ کا خط نہایت ادب سے اس کے سامنے پیش کیا۔

احمد شاہ کا خیال قاصد کے واپس آنے پر لگا ہوا تھا اس نے نہایت شوق سے خط کی طرف دیکھا اور کمال خوشی سے میر منشی کے حوالہ کر کے پڑھنے کا حکم دیا۔

خط کی عبارت بالکل مختصر تھی لیکن میر منشی نے اس کے مطالعہ میں پاؤ گھنٹہ کے قریب صرف کر دیا۔ یہ حالت دیکھ کر بادشاہ کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں اس نے نہایت گہری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔

احمد شاہ۔ اس چھوٹے سے مسودہ کے مطالعہ میں اتنی دیر!۔ جلدی پڑھ کر سناؤ۔

میر منشی نے نہایت ادب سے اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر عرض کیا۔

میر منشی۔ جہاں پناہ! میں اس خط کو پڑھ کر نہیں سنا سکتا۔

احمد شاہ۔ (حیران ہو کر) کیوں؟ یہ فارسی میں نہیں؟

میرمنشی۔ جہاں پناہ! ہے تو فارسی ہیں۔
احمد شاہ۔ پھر تم کیوں اس کو نہیں پڑھ سکتے؟
میرمنشی۔ جہاں پناہ پڑھ تو سکتا ہوں لیکن اس کو سنانے کا حوصلہ نہیں کر سکتا۔
احمد شاہ۔ (نہایت متکبرانہ لہجہ میں) ہاں! شاید پربت سنگھ نے ہماری بات کو منظور نہیں کیا؟ کیا یہی ہے نہ؟
میرمنشی۔ ہاں صاحب! لیکن اگر اس کی طرف سے صرف انکار ہی ہوتا تو بھی میں حضور کے سامنے خط کو پڑھنے سے پس و پیش نہ کرتا۔ لیکن اس خط کا مضمون ایسے سخت الفاظ میں لکھا گیا ہے کہ میں اس کو اپنی زبان سے ادا کرنا سخت گستاخی سمجھتا ہوں۔
احمد شاہ۔ اچھا! (ذرا زیادہ سرخ چہرہ بناکر) یہ بات ہے! خیر! یہ بھی دیکھا جائے گا۔ اس کا مضمون خواہ کسی قسم کا ہو تم کو اس کے سنانے کی اجازت دی جاتی ہے۔
میرمنشی۔ میں پھر عرض کرتا ہوں کہ مجھے اس کے پڑھنے پر مجبور نہ کیا جائے۔ یہ مضمون صرف حضور ہی کے گوش گزار کرنے کے قابل ہے۔
احمد شاہ۔ بس! کچھ پرواہ نہیں۔ جو کچھ ہے پڑھ کر سناؤ تاکہ باقی ارکین سلطنت بھی اس کو سن لیں اور پھر جیسا مناسب ہو پربت سنگھ کی قسمت کا فیصلہ کیا جائے۔

میرمنشی نے مجبور ہو کر خط کو پڑھ کر سنایا جس کو سنتے ہی تمام دربار پر ایک قسم کا سناٹا چھا گیا۔ یہ خط فارسی زبان میں لکھا ہوا تھا لیکن ہم اپنے ناظرین کی دلچسپی کے لئے اس کا اردو ترجمہ ذیل میں لکھ دیتے ہیں۔

مغرور بادشاہ ـــــــ

تیرے دونوں خط ہم کو ملے۔ پہلے خط کا جواب تو کسی خاص مصلحت سے نہیں دیا گیا تھا لیکن اب خاموش رہنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ یہ سچ ہے کہ جب آدمی کے بُرے دن آتے ہیں تو اس کی سمجھ بھی اُلٹی ہو جاتی ہے۔ یہی حال اس وقت تیرا ہے۔ جاہ و حشمت کے غرور نے تیری آنکھوں پر پٹی باندھ دی ہے اور تیری نخوت تجھے کچھ بھی بھلا بُرا سوچنے کی اجازت نہیں دیتی جس سے اس بات کے تسلیم کرنے میں اب کچھ بھی شبہ نہیں رہا کہ تیری سلطنت عنقریب ہی تباہی اور بربادی کا مُنہ دیکھنے والی ہے۔ تو مجھے کمزور اور ضعیف حالت میں دیکھ کر اور اپنے مقابلہ میں کمزور پاکر زبردستی لیلاوتی کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے لیکن یاد رکھ کہ تیری یہ خواہش قیامت تک بھی پوری ہونے والی نہیں۔ ایک اصل نسل چھتری راجہ مسلمان بادشاہ کو اپنی لڑکی دینے پر کبھی رضامند نہیں ہو سکتا پس اب تیرے لئے مناسب یہی ہے کہ تو آئندہ لیلاوتی کو میری طرح اپنی لڑکی خیال کرے اور اپنے پہلے خطوں کی بابت معافی مانگے۔ بس اس سے زیادہ اور کچھ نہیں لکھا جا سکتا۔

.... پربت سنگھ

خط کے ختم ہونے پر تمام دربار میں ایک حیرت انگیز سناٹا چھا گیا احمد شاہ کی آنکھیں خون کبوتر بن گئیں۔ اور ان سے آگ کے شعلے نکلنے لگے ۔

احمد شاہ:۔ (نہایت غصہ کے لہجہ میں) اچھا! پربت سنگھ کا یہ حوصلہ! اس کو ایسا سخت خط لکھنے کی مجال! بیشک! اس کی موت اب اس کے سر پر کھیل رہی ہے۔ مغرور کافر! تیری ساری شیخی مٹی میں

نہ ملادی تو میرا نام احمدشاہ نہیں۔ تو میرے ارادہ کو روکنے والا کون! تیری گردن ہوگی اور میری تلوار! کیا ایسا بیہودہ خط لکھتے وقت تجھے اپنی جان کا کچھ بھی خیال نہ آیا۔ دیکھ تو اب کس طرح تیری خبر لیتا ہوں ؎

اسکے بعد سلطان نے اپنا غضبناک چہرہ سپہ سالار کی طرف پھیر کر نہایت غضبناک نگاہ سے اس کی طرف دیکھا۔

سپہ سالار۔ (باادب استادہ ہوکر) حضور! ارشاد!

احمدشاہ۔ اب ارشاد کیا؟ اس خط کا جواب صرف ہماری تلوار ہی دے سکتی ہے۔ فوراً فوج تیار رہو اور میں بھی خود تمہارے ساتھ ہوں گا۔

سپہ سالار۔ تو پھر جان نثاروں کو عذر ہی کس بات کا۔

احمدشاہ۔ لیکن میں اس لڑائی میں ذرا بھی دیری نہیں چاہتا تم کو صرف تین دن کی مہلت ہے۔ اس عرصہ میں جو کچھ سامان کرنا ہو کرلو۔ چوتھے روز بارہ ہزار فوج کو یہاں سے کوچ کرنا ہوگا۔

سپہ سالار۔ بہت بہتر! حضور!

اس کے بعد بجز اراکین سلطنت کے باقی تمام لوگ رخصت کردیئے گئے اور کچھ دیر تک ضروری مشورہ ہوتا رہا۔

گنتی کے دن گزرتے کب دیر لگتی ہے تین دن یوں ہی بسر ہوگئے اور احمدشاہ معہ دس ہزار سپاہ کے بڑے جاہ و جلال کے ساتھ قلعہ اہور کی طرف روانہ ہوا ؎

ایک یونانی فلاسفر کا قول ہے کہ عشق ایک ایسا زبردست بھوت ہے۔ جس کا سایہ پڑنے سے آدمی انسانیت کے درجہ سے بالکل گر جاتا ہے۔ اس کی عقل اس کو جواب دے جاتی ہے اور اس کو اپنی برائی یا بھلائی کی کچھ بھی تمیز نہیں رہتی۔ اس کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں۔ اور اس کو کچھ سوجھائی نہیں دیتا۔ اس کے کان بہرے ہو جاتے ہیں اس لئے وہ کچھ بھی نہیں سنتا۔ وہ صریحاً دیکھتا ہے کہ اس کا نقصان ہو رہا ہے مگر وہ اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ لوگ اسکو سمجھاتے ہیں لاکھ طرح سے اس کو راہ راست پر لانے کی سعی کرتے ہیں لیکن وہ ان باتوں پر کان ہی نہیں دھرتا۔ یہی حالت اس وقت احمد شاہ کی تھی۔ اس کے سر پر بھی عشق کا زبردست جن سوار تھا۔ وہ دل و جان سے اس کے تابع ہو چکا تھا اور یہی وجہ تھی کہ اس کو دنیا کی بدنامی یا عقبےٰ تک کا بھی کچھ خیال نہ تھا۔ راجہ پربت سنگھ پر جو اس نے چڑھائی کی اس کا باعث محض اس کے نفسانی جذبات تھے۔ وہ لیلاوتی کی خوبصورتی کے تذکرے سن کر شیدا ہو چکا تھا اگرچہ وہ اس بات کو بھی بخوبی جانتا تھا کہ پربت سنگھ جیتے جی کبھی بھی اس کی اس خواہش کو پورا کرنے والا نہیں اور جنگ کی صورت میں ہزاروں جانیں برباد ہو جائیں گی لیکن وہ اپنی

تمام بادشاہی کو اپنے ہاتھوں تباہ کر دینے اور ہزارہا نوجوانوں کے خون پانی کی طرح بہا دینے کو تیار تھا لیکن وہ اپنے اس خیال یعنی لیلا وتی کے خیال کو دل سے دور کر دینے کی طاقت نہ رکھتا تھا۔ لیلا وتی کی خیالی تصویر ہر وقت اس کی آنکھوں کے سامنے پھرتی رہتی تھی اور وہ اس کے حاصل کرنے کی کوشش میں اپنی جان تک لڑا دینے کو تیار تھا۔

صبح کا وقت تھا آفتاب کو طلوع ہوئے ابھی پاؤ گھنٹہ بھی نہ گزرا تھا کہ احمد شاہ کی سپاہ جو دو دن سے قلعہ امبر کا محاصرہ کئے پڑی تھی مشرقی پھاٹک کی طرف بڑھتی دکھائی دی۔

مغرور بادشاہ ایک خوبصورت بلند قامت ہاتھی پر سوار تھا جس کے اوپر چاندی کا ہودج جس پر سنہری بیل بوٹے کئے ہوئے تھے کسا ہوا تھا۔ احمد شاہ کے دل میں اس وقت طرح طرح کے خیالات بھرے ہوئے تھے اس کا دماغ ہوا و ہوس سے لبریز تھا اور لیلا وتی کا اشتیاق اس کے دل پر اس قدر غلبہ پا چکا تھا کہ باوجود بہت سے لائق افسروں کی موجودگی کے بھی قلعہ پر حملہ کرنے والی فوج کی کمان اس نے اپنے ہی ہاتھ میں رکھی تھی۔

احمد شاہ کو یہ بھی امید تھی کہ پریت سنگھ میں اس کے ساتھ مقابلہ کرنے کی کچھ بھی طاقت نہیں اس لئے کچھ عجب نہیں کہ وہ ابتدائی جنگ میں ہی دہشت زدہ ہو کر لیلا وتی کو بادشاہ کے ساتھ روانہ کر دینے پر رضامند ہو جائیگا۔ لیکن اس کا یہ خیال غلط تھا۔ پریت سنگھ ایک سچا راجپوت تھا۔ ور اگرچہ وہ بھی اپنی طاقت کو شاہی طاقت کے مقابلہ میں بہت کم درجہ پر خیال کرتا تھا لیکن اُسے اس کی کچھ بھی پرواہ نہ تھی اور اس کا شجاع دل اس ذلت کو گوارا کرنے کی نسبت مر جانے کو زیادہ ترجیح دیتا تھا۔

شاہی فوج بلا روک ٹوک آگے بڑھتی گئی اور تعجب کی بات ہے کہ اہل قلعہ کی طرف سے ابھی تک ان کے روکنے کی کچھ بھی کوشش نہ کی گئی لیکن جوں ہی کہ یہ پھاٹک کے قریب پہنچے قلعہ کی طرف سے ایک سنسناتا ہوا تیر آیا اور بادشاہ کے ہاتھی کے ہودج میں اٹک گیا اس تیر کے ساتھ کاغذ کا ایک ٹکڑہ سرخ ریشم کے باریک دھاگا سے بندھا تھا۔ بادشاہ نے اُس کو فوراً کھول کر پڑھا اس کا مضمون یہ تھا۔

"جس تیر انداز نے تیرے ہودج میں یہ تیر مارا ہے وہ اس کو بڑی آسانی کے ساتھ تیرے مغرور سر میں بھی ترازو کر سکتا تھا اور اُسی بندر صورت وحشی بادشاہ کو جس کے دماغ میں لیلاوتی کے ساتھ شادی کرنے کا خیال سمایا ہوا ہے اسی تیر سے واصل جہنم کر سکتا تھا لیکن ہمارا ارادہ خونریزی کا نہیں۔ اب بھی سنبھل اور اپنی سپاہ کو ساتھ لے خیریت سے پلٹ جا ورنہ یاد رکھنا کہ تیری جان کی خیر نہ ہوگی۔"

خط کو پڑھ کر اور تیر انداز کے ہاتھوں کی اس قدر صفائی کو دیکھ کر احمد شاہ کا خون خشک ہو گیا اس نے فوج کو قلعہ پر دھاوے کا حکم دے کر اور اس کی کمان ایک لائق افسر کے حوالے کر کے فیلبان کو اپنا ہاتھی سب سے پیچھے لے جانے کا اشارہ کیا۔

قلعہ پر دھاوا کیا گیا اور مسلمانوں نے ہرچند کوشش کی کہ قلعہ کا پھاٹک توڑ کر اندر داخل ہوں لیکن یہ اس قدر مضبوط تھا کہ ان کی ساری کوشش رائگان گئی۔ مسلمانوں نے سیڑھیاں لگا کر فصیل پر چڑھنے کا ارادہ کیا۔ راجپوت ابھی تک بالکل خاموش تھے لیکن جب سیڑھیاں اچھی طرح لگ چکیں اور مسلمانوں نے ان پر چڑھ

کر فصیل سے سر نکالا تو راجپوت بھی موت کے فرشتے بن کر دفعتاً
ان پر ٹوٹ پڑے۔ تیروں کی پہلی بوچھاڑ نے سب سے اوپر
کے آدمیوں کا خیر مقدم کیا اور آن کی آن میں اُن کی بے جان
نعشیں ایک ایک کرکے فصیل سے نیچے گرتی دکھائی دیں۔ دوسری
بوچھاڑ نے بھی ان کے پیچھے والوں کی یہی گت بنائی حتیٰ کہ جتنے
آدمی سیڑھیوں پر چڑھتے دکھائی دیئے تھے دم کے دم میں لاشوں
کا ڈھیر بن گئے۔ مسلمانوں کی طرف سے بھی دل توڑ حملہ ہو رہا تھا
لیکن راجپوتی تلواروں کے سامنے کچھ پیش نہ جاتی تھی۔ قلعہ پر سے
آنے والی گولیوں اور تیروں کی بوچھاڑ ان کا ستھراؤ کر رہی تھی۔
جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی حالت دم بدم نازک ہوتی گئی اور
آخرکار ایک سخت نقصان کے بعد۔ ان کو قلعہ کی فصیل چھوڑ کر
واپس آنا پڑا۔

مسلمانوں کو اس طرح پس پا کرکے راجپوت بڑی مسرت
کے ساتھ قلعہ کی طرف ہٹ گئے اور صرف چند آدمی فصیل پر باقی رہ
گئے جو نہایت اطمینان کے ساتھ ٹہل ٹہل کر دشمن کی نگرانی کر رہے
تھے۔

اگرچہ آج کی لڑائی میں مسلمانوں کو ایک گونہ ناکامی ہوئی تھی لیکن
سندھ کے اولوالعزم بادشاہ کا حوصلہ اس سے پست ہونا ناممکن تھا۔
اُس نے محاصرہ کا حکم دیا اور شاہی لشکر قلعہ کے چاروں طرف پھیل
گیا۔

احمد شاہ کو قلعہ کا محاصرہ کئے ہوئے پورے تین ماہ کا عرصہ ہو گیا اور اس عرصہ میں اس کی طرف سے ایسا کڑا انتظام کیا گیا تھا کہ پرندہ بھی قلعہ میں آ جا نہ سکتا تھا۔ اگرچہ اس اثنا میں کئی ایک لڑائیاں بھی ہوئیں اور مسلمانوں نے اپنی تمام طاقت سے قلعہ پر حملے کئے لیکن کچھ کارگر نہ پڑے اور ان کو بڑے نقصان کے ساتھ پسپا کر دیا گیا۔

ناچار احمد شاہ نے یہ چال چلی اور فوج کو حکم دیا کہ وہ صرف قلعے کا محاصرہ کئے پڑی رہے۔ اب قلعہ کا فتح ہونا وقت پر منحصر تھا۔ احمد شاہ کی یہ چال بڑی مفید چال تھی رفتہ رفتہ اہل قلعہ کی خوراک کم ہونے لگی۔ باہر سے ایک دانہ بھی اندر جانا مشکل تھا۔ پس خوراک کی قلت نے راجپوتوں کو گھبرا دیا۔ اگرچہ احمد شاہ اس وقت بھی صلح پر تیار تھا لیکن اس صلحنامہ کی شرط ایسی کڑی تھی جس کو منظور کرنا تو درکنار رپت سنگھ کا غیور دل اس کو سننے کی تاب بھی نہ لا سکتا تھا۔ وہ مرنے پر راضی تھا لیکن وہ اطاعت کی ذلت کو ہرگز گوارا نہ کر سکتا تھا۔ دلیر راجپوت احمد شاہ سے رحم کی درخواست کرنا کسر شان سمجھتے تھے اگرچہ اب ان کو فاقوں کی نوبت پہنچ

چکی تھی اُن کے زبردست اور توانا گھوڑے مہینوں سے سبزہ زار اور چراگاہوں کی شکل تک دیکھنے کو ترس رہے تھے لیکن اُن کو دلوں میں بدستور شانتی پائی جاتی تھی۔

آخرکار ایک دن پربت سنگھ نے تمام راجپوتوں کو جمع کیا اور کہنے لگا۔

پربت سنگھ ۔ اے میرے بہادر والے میرے جری اور دلیر ہم قومو! میں تمہارا از حد مشکور ہوں کہ تم نے اس مصیبت کے وقت میں میرا ساتھ دیا۔ تم نے میری عزت بچانے میں میرا ہاتھ بٹایا ہاں! صرف میں ہی تمہارا شکرگزار نہیں بلکہ حق تو یہ ہے کہ تمام راجپوت قوم ہی تمہاری شکرگزار ہو اور وہ بھی صرف ایک وقت تک ہی نہیں بلکہ تمہاری ہمت اور جرات اس بات کی شایاں ہے کہ ہمیشہ تک تمہارا نام عزت کے ساتھ لیا جاوے۔ خیر! ان باتوں کا ذکر کرنے کی اب کچھ ضرورت نہیں جو کچھ میں نے بیان کیا یہ جملہ معترضہ تھا۔ میں نے اس وقت تمہیں اس لئے طلب کیا ہے کہ اب ہمیں کیا انتظام کرنا چاہیئے کیونکہ قلعہ کی رسد بالکل ختم ہو چکی ہے۔ غنیم محاصرہ کئے پڑا ہے اور باہر سے مدد کی کچھ امید باقی نہیں رہی ؟

اس کے بعد پربت سنگھ خاموش ہو گیا اور سپہ سالار مان سنگھ نے حاضرین سے مخاطب ہو کر یوں کہا:-

سپہ سالار ۔ (ادب سے کھڑے ہو کر) مہاراج نے جو کچھ فرمایا بالکل درست ہے اور تم سبھوں کو خود بھی معلوم ہے کہ اب رسد بالکل ختم ہو چکی ہے اور آیندہ کے لئے کچھ انتظام نہیں ہو سکتا۔ لیکن میرے بہادر! راجپوت کے لئے یہ نہایت ہی افسوس

کا موقعہ ہے کہ وہ اس طرح کی بڑی موت سے مرے۔ آخر ہم کو ایک دن
کو مرنا ہے۔ دنیا میں جو آیا وہ ضرور ہی فنا ہوگا لیکن کیا یہ نہیں
ہو سکتا کہ ہم عزت کی موت مریں اور دنیا پر اپنا نام چھوڑ جائیں؟
حقیقت میں انسان کی زندگی محض حباب بر آب ہے گویا وہ ہر وقت
ہی فنا کے قریب ہے۔ لیکن پھر بھی یہ بڑی چیز ہے وہ کس طرح؟
صرف اس لئے کہ انسان اس میں آسمان کے تلے بڑے بڑے کام
بھی کر سکتا ہے۔ اس دنیا پر بڑے بڑے انسان آئے لیکن موت
نے کسی کو بھی نہ چھوڑا اور آتش فنا سے ایک ایک کو جلا کر خاک
سیاہ کر دیا لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ ان میں ایسے دلیر اور جوانمرد انسان
بھی تھے جن کے نام آجتک عزت اور عظمت کے آسمان پر آفتاب بن
کر چمک رہے ہیں۔ یہ لوگ کون تھے؟ یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے
اپنی جانیں ملک اور قوم کے کام میں نچھاور کی ہیں۔ وہ گھر میں چارپائی
پر لیٹ کر فوت نہیں ہوئے بلکہ اُنھوں نے میدان کارزار کی ننگی
زمینوں کو اپنا بستر مرگ بنایا تھا۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج جنگ
کے موقعہ پر اُن کے کارنامے گیتوں کے طور پر گائے جاتے ہیں۔
درحقیقت ایسے لوگوں کی موت موت نہیں کہی جا سکتی بلکہ اُن کا
مرنا ہمارے جینے سے بدرجہا بہتر تھا۔ دراصل انھوں نے میدان
جنگ میں آب شمشیر نہیں پیا بلکہ آب حیات پیا ہے۔ جس کے
باعث جبتک دنیا قائم ہے ان کو کبھی نہ فنا ہونے والی حیات
حاصل ہے۔ پس اے موجودہ معزز راجپوتو! کیا تم بھی چاہتے
ہو کہ تمہیں بھی ایسی باعزت زندگی حاصل ہو؟ اگر چاہتے ہو تو
اب یہ موقعہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اس کو رائگاں نہ کھونا....
بہادر راجپوتوں نے چاروں طرف سے نہایت پرجوش

آوازیں آئیں جواب دیا ضرور ضرور ....

لیکن معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ ابدی زندگی اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ ہم اپنی موجودہ زندگی کو اس پر نثار نہ کر دیں۔

حاضرین۔ ہاں! ہاں! ہم سب اپنی زندگی بڑی خوشی سے نذر کرنے کو تیار ہیں۔

پربت سنگھ۔ میرے بہادر دلیرو تم سے ایسی ہی امید تھی۔ واقعی تمہارے نام اس قابل ہیں کہ تمہاری آئندہ نسلیں بڑی عزت اور فخر کے ساتھ یاد کیا کریں گی۔ ہاں! میرے جوانمردو! اب تمہیں موت کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے۔ تم اسی غرض سے اس قلعہ میں جمع ہوئے تھے اور یہی تمہارا مدعا تھا لیکن اب تم اپنے اس ارادہ کو تبدیل کرنے کے بھی ناقابل ہو۔ قلعہ کے اندر کا ذخیرہ ختم ہو چکا ہے۔ باہر تم نہیں نکل سکتے۔ پھر فاقوں سے مرنے سے بچنے کے لئے اب کون سی تدبیر ہو سکتی ہے؟

چاروں طرف سے آواز آئی "جوہر! جوہر!"

"راجپوت کے لئے یہ نہایت ہی افسوس کا موقعہ ہے کہ اسے چارپائی پر موت آئے۔" "ایک دن ہم ضرور موت کے پنجہ میں گرفتار ہو جائیں گے تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہم عزت کی موت نہ مریں اور آسمان کے تلے اپنا نام نہ کر جائیں"

پربت سنگھ۔ بے شک اب سوائے اس کے کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ ہم بھی اس موقعہ پر اسی تجویز کو کام میں لائیں جس کو اکثر دفعہ ہمارے بزرگوں نے برتا ہے۔ یہ تجویز کیا ہے؟ اس کو تم خود بیان کر چکے ہو یعنی جوہر! در حقیقت اب اس کے سوائے

کوئی چارہ نہیں رہا - اگر اس طرح نہیں تو اور چند دن تک فاقوں کے مارے مر جائیں گے - لیکن مرد ہو کر ایسی ذلت کی موت مرنا کچھ کم شرم کی بات نہیں ہے -

حاضرین - نہیں ! نہیں ! ایسا کبھی نہیں ہو سکتا -

پربت سنگھ - (خوش ہو کر) اچھا تو تم میرا ساتھ دینے کو تیار ہو ؟

حاضرین - کیوں نہیں ؟ بڑی خوشی سے اور دلی رغبت سے - کیا راجپوت کے لئے اپنی جان دھرم اور عزت کے لئے قربان کر دینا کچھ مشکل امر ہے ؟ ہرگز نہیں - راجپوت کے نزدیک یہ ایک معمولی بات ہے - ہاں ! یہ بالکل سچ ہے کہ ہماری جانیں اپنے دھرم اور اپنے راجہ کے بدلے نثار ہو جانے کے لئے تیار ہیں -

اس کے بعد کچھ مزید گفتگو نہ ہوئی ہر ایک راجپوت کے دل میں ایک غیر معمولی جوش بھرا ہوا تھا - اگرچہ انہیں کامل یقین تھا کہ ان کو فتح کسی طرح بھی نصیب نہیں ہو سکتی لیکن اپنے دھرم کی ہمدردی اور اس کی حفاظت کے خیال نے راجپوتوں کے دلوں میں ایک ایسی روح پھونک دی تھی جس سے وہ اپنی عزیز جانیں میدان جنگ میں نثار کر دینے پر تیار ہو گئے تھے - اس جنگ سے اگر کچھ مقصود تھا تو یہی تھا کہ جوانمردی کے ساتھ غنیم کے مقابلہ پر اپنے سر کٹا کر راجپوتوں کے نام اور بزرگوں کی عزت کو برقرار رکھا جائے -

جوہر کی تجویز کو عمل میں لانے سے پیشتر اس سوال کا ان کے دلوں میں پیدا ہونا لازمی تھا کہ اول عورتوں بچوں اور قلعہ کے زر و جواہرات کی قسمت کا بھی فیصلہ کر دیا جائے -

اور جوہر کے اصطلاحی معنے بھی یہی ہیں۔ جوہر کا مطلب یہ ہوا کرتا تھا کہ جب راجپوتوں کو دشمن کے مقابلہ میں اپنی کامیابی کی صورت دکھائی نہ دیتی تھی تو اول وہ تمام زر و جواہرات کو اپنے ہاتھوں سے جلا کر خاک سیاہ کر دیتے تھے۔ عورتیں چتا میں بیٹھ کر اپنی ہستی کا خاتمہ کرتی تھیں اور پھر مرد تلواریں گھسیٹ دشمن پر جا پڑتے اور لڑتے لڑتے وہیں ڈھیر ہو جایا کرتے تھے لڑائی کے بعد جب کامیاب دشمن ان کے گھروں میں داخل ہوتا تھا تو سوائے خاک کے ڈھیروں کے اس کے ہاتھ کچھ بھی نہ آتا تھا۔ وہ یہی جوہر تھا جس پر عمل کرنے کے لئے اب قلعہ امور کے راجپوت تیار ہوئے تھے اور جس کے لئے وہ مصمم ارادہ کر چکے تھے۔ جوہر کی رسم ایک خوفناک رسم تھی لیکن اس پر عمل کرنا محض راجپوتوں کا ہی کام تھا۔ ان کے غیور دل اپنے ننگ و ناموس کو غنیم کے ہاتھوں میں دینا اور اس کے رحم کے حوالے کرنا ہرگز گوارا نہ کر سکتے تھے وہ اپنے ہاتھوں سے اپنی عورتوں کو قتل کرنا یا ان کو چتا کے سپرد کر دینا زیادہ مناسب سمجھتے تھے۔ ہائے! یہ کیسا دردناک منظر ہوتا ہوگا۔ جبکہ ایک شوہر اپنی چہیتی بیوی کو خاک و خون میں تڑپتے ہوئے دیکھتا ہوگا یا ایک مہربان باپ اپنی پیاری بیٹی کا گلا کاٹ دینے کو تیار ہو جاتا ہوگا لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ ایسا اتفاق بہت کم ہوتا تھا بلکہ راجپوت عورتیں ایسے موقعہ پر خود بخود نہایت خندہ پیشانی سے جلتی بلتی چتاؤں کے اندر بیٹھ کر اپنی ہستی کا خاتمہ کر دیا کرتی تھیں اور مردوں کی تلواروں پر اپنے خون کا دھبہ آنے کا موقعہ نہ دیتی تھیں۔

آخر کار یہ قطعی فیصلہ ہو گیا کہ عورتیں چتا میں بیٹھ کر اپنے دھرم اور اپنے ننگ وناموس کی حفاظت کریں اور مرد صبح کے وقت قلعہ سے نکل کر غنیم کے بے شمار دل کے مقابلہ پر اپنی جانیں قربان کر کے اپنی بہادری اور قومی عظمت کا ثبوت دیں۔

چنانچہ یہ تجویز عورتوں کو بھی سنائی گئی لیکن ان میں سے ایک بھی ایسی نہ تھی جس نے اس تجویز کو سن کر اپنی پیشانی پر شکن ڈالا ہو۔ بلکہ ان تمام نے بھی اپنی دلی خواہش ظاہر کی اور اطمینان دلایا کہ وہ بھی دل وجان سے اس پر عمل کرنے کو تیار ہیں۔ البتہ بعض عورتوں نے اس بات کی اجازت چاہی کہ ان کو بھی میدان جنگ میں جا کر غنیم کے مقابلہ میں مردوں کا ہاتھ بٹانے کا موقعہ دیا جائے۔ یہ کوئی عجیب درخواست نہ تھی اس سے پہلے اکثر موقعوں پر راجپوت عورتیں ایک بہادر سپاہی کی طرح ہتھیار پہن کر میدان رزم میں جا چکی تھیں اس لئے ان کی یہ درخواست فوراً منظور کی گئی۔ اور کئی ایک شیر دل راجپوتانیاں مردوں کے قدم بقدم اپنی جان دینے کے لئے مستعد ہو گئیں۔

شام کے وقت قلعہ کے وسیع صحن میں ایک بھاری چتا تیار کی گئی اول تمام زیورات اور قیمتی پارچات اس جلتی آگ کے سپرد کئے گئے اور پھر تمام راجپوت عورتیں اپنے معصوم بچوں کو جو کہ میدان جنگ میں جانے کے قابل نہ تھے ساتھ لئے ہوئے اسی میں داخل ہو گئیں!!!

میدان جنگ

رات بھر قلعہ اہلور میں کچھ عجیب کیفیت رہی ادھر تو عورتیں چتا کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جل جل خاک سیاہ ہو رہی تھیں ادھر مرد اپنے جنگی سامان درست کرنے میں سرگرم تھے۔ چاروں طرف سناٹے کا عالم تھا اور ہر شخص بڑی بیتابی کے ساتھ صبح کا انتظار کر رہا تھا تاکہ وہ اپنی قیمتی جان ملک اور قوم کی عزت پر قربان کرکے سرخروئی حاصل کرے۔

آخر انتظار کی مدت ختم ہوئی آفتاب عالمتاب اپنی شعاعوں کے تیر پھینکتا ہوا خانہ مشرق سے نمودار ہوا۔ اور اس کی سنہری کرنیں قلعہ کی بلند دیواروں پر حسرت اور یاس کی تصویریں کھینچنے لگیں۔

راجپوت جانبازوں نے فوجی لباس پہن کر ہتھیار لگائے۔ ان کے لباس زعفرانی تھے۔ ہر ایک کے منہ میں تلسی کی پتی تھی۔ اور پیشانیوں پر چندن کے ٹیکے تھے۔

اس سج دھج سے سب کے سب قلعہ کے صدر دروازے کے گرد جمع ہوئے اور نہایت حسرت و اندوہ کے عالم میں ایک دوسرے کے گلے ملنے لگے۔ ان کا یہ ملنا الوداعی ملنا تھا اور یہ صاف ظاہر تھا کہ اب ان میں سے ایک بھی دوسرے سے کبھی نہ مل سکے گا!!!

اس قومی رسم سے فراغت پاکر صدر پھاٹک کھول دیا گیا اور

بہادر راجپوت لڑنے اور مرنے کے لئے میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس وقت میدان جنگ کوئی محدود اور معین مقام نہ تھا۔ بلکہ قلعہ سے نکلتے ہی انہوں نے شاہی فوج کی طرف رُخ کیا جو کہ ایک عرصہ دراز سے ان کا محاصرکئے پڑی ہوئی تھی۔

یہ مختصر فوج راجہ پربت سنگ کی ماتحتی میں تھی جس کے ایک پہلو میں تو اس کا فرزند اور ولیعہد رام سنگھ اور دوسرے پہلو میں سپہ سالار مان سنگھ تھا جو دلیری اور جوانمردی کے نشہ میں پورے پورے سرشار تھے اس وقت راجپوتوں کے جوش کا کچھ ٹھکانا نہ تھا اور ان کے اطوار سے پایا جاتا تھا کہ وہ جاتے ہی دشمن کی فوج کو تلوار کی باڑھ پر رکھ لیں گے۔ ان کے چہروں پر بالکل اطمینانی برس رہی تھی اور ان کے دلوں میں اپنی تعداد کی کمی اور دشمن کی کثرت کا ذرا بھی خوف نہ پایا جاتا تھا صرف وہ اس بات کے خواہاں تھے کہ یا تو احمدشاہ کے جوکہ اُن کے ننگ وناموس کا دشمن بن کران کے دروازہ پر دھرنا مارے بیٹھا تھا خون سے جنگ کی بھڑکتی ہوئی آگ کو بجھا کر اپنا دل ٹھنڈا کریں یا ٹڈی دل شاہی لشکر کے مقابلہ پر اپنی جانیں قربان کرکے ثابت کردیں کہ راجپوتوں کو اپنی عزت اور قومی بزرگی کا کہاں تک پاس ہوتا ہے۔

بدیں خیال کہ موت کے وقت ہر شخص کی حالت یکساں ہوتی ہے۔ اس وقت افسر اور ماتحت کا کچھ بھی لحاظ نہ رکھا گیا تھا۔ پربت سنگھ اور مان سنگھ بھی سپاہیوں کی قطار میں شامل تھے۔ ان کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں اور برابر پیدل چل رہے تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ پربت سنگھ اور رام سنگھ کے سروں پر شاہی نشان یعنی چتر تھے۔ اور مان سنگھ کے ہاتھ میں راجپوتی جھنڈا تھا جس پر سورج کی سنہری تصویر تھی۔ اتنا فرق بھی خطرناک تھا کیونکہ دشمن دور سے ان کی

تمیز کر سکتا تھا۔

راجپوتوں نے قلعہ سے نکلتے ہی تلواریں کھینچ لیں۔ نیاموں کو توڑ کر پھینک دیا اور جھرمٹے کھا کر غنیم کی سپاہ پر جا پڑے۔ ادھر سے بھی اسلامی تلواریں مقابلہ پر ٹوٹ گئیں اور طرفین کے جاں نثار داد شجاعت دینے لگے۔ موت کا بازار گرم ہو گیا اور قضا جان نثاروں کا خاتمہ کرنے لگی۔

مسلمانوں نے اپنی حفاظت کے لئے مٹی کی کچی دیوار کھینچی ہوئی تھی وہ پہلے ہی حملہ میں توڑ دی گئی اور راجپوتوں نے دشمن کے دل میں گھس کر سیدھا شاہی خیمہ کی طرف رُخ کیا۔

راجپوتوں کے اس اچانک حملہ سے شاہی فوج میں کھلبلی مچ گئی۔ احمد شاہ نے فوراً ہتھیار پہنے اور ہاتھی پر سوار ہو کر کچھ سپاہ کو سمیٹ مقابلہ پر آ ڈٹا۔ لڑائی دست بدست ہونے لگی لیکن راجپوتی تلواریں کچھ اس غضب کی آگ برسا رہی تھیں کہ آدھ گھنٹے کے اندر چاروں طرف لاشیں ہی لاشیں دکھائی دینے لگیں۔ یہ جنگ نہایت بے ترتیبی کی جنگ تھی۔ اس میں نہ تو طرفین کی صف بندی کا لحاظ رکھا گیا تھا اور نہ فوجی قواعد کی نگہداشت کا انتظام تھا۔

جس طرح بہادر مان سنگھ نہایت جوانمردی سے اپنے سپاہیانہ کرتبوں سے غنیم کو حیرت میں ڈال رہا تھا اسی طرح راجہ کا نوجوان بیٹا رام سنگھ بھی اپنی شجاعت کے جوہر دکھانے میں کمال کر رہا تھا۔

راجپوتوں کا جو قدم پڑتا تھا وہ آگے ہی کو پڑتا تھا حتیٰ کہ وہ غنیم کی سپاہ کو کاٹتے چھانٹتے لاشوں کے انبار لگاتے احمد شاہ کے ہاتھی کے قریب پہنچ گئے۔ اس وقت شجاع اور دلیر رام سنگھ نے کمال ہی کر دکھایا۔ وہ نہایت جوانمردی سے آگے کی طرف جھپٹا اور غنیم

کے واروں کا جواب دیتا ہوا بالکل احمد شاہ کے ہاتھی کے قریب پہنچ گیا! نوجوان کی اس قدر جرات اور دلیری کو دیکھ کر دوست اور دشمن دونوں کے دلوں پر ایک قسم کی حیرت سی چھا گئی اور چاروں طرف سناٹے کا عالم ہو گیا!!!

دلبر رام سنگھ کی تلوار اوپر کو اٹھی لیکن ابھی اس کی چمک حاضرین کی آنکھوں میں اچھی طرح پھرنے بھی نہ پائی تھی کہ جوانمرد کے تلے ہوئے ہاتھ کے وار نے ہاتھی کا ریشمی کمر بند کاٹ دیا اور بادشاہ مع ہودج کے زمین پر گر پڑا!!!

بادشاہ کا زمین پر گرنا تھا کہ ایک شور بلند ہوا اور راجپوتوں کی جے جے کار اور مسلمانوں کے نعروں سے میدان جنگ گونج اٹھا۔

کچھ تعجب نہ تھا کہ نوجوان رام سنگھ کا دوسرا وار بادشاہ کا سر جدا کر کے ساتھ ہی اس لڑائی کا بھی خاتمہ کر دیتا لیکن افسوس ہے کہ جوانمرد کو اتنی مہلت نہ مل سکی۔ احمد شاہ کے گرتے ہی رام سنگھ کی تلوار ٹوٹ گئی اور ساتھ ہی مسلمان سپاہیوں نے آگے بڑھ کر اس کو گھیرے میں لے لیا اور اپنے بادشاہ کی جان بچانے کے لئے بڑی سختی کے ساتھ راجپوتوں کا مقابلہ کرنے لگے۔

تصدق گھنٹے تک سخت خونریز لڑائی ہوتی رہی۔ میدان جنگ میں خون کا دریا لہرا اٹھا اور سپاہیوں کے کٹے ہوئے سر مچھلیوں کی طرح ادھر ادھر تڑپ تڑپ کر ٹھنڈے ہونے لگے۔

شاہی لشکر کے مقابلہ میں راجپوتوں کی بساط ہی کیا تھی۔ اگرچہ ان کی تلواروں نے بڑا کام کیا لیکن اب ان کی تعداد بہت کم رہ گئی تھی اور جس قدر آدمی قلعہ سے نکلے تھے اس میں

سے صرف ایک چوتھائی باقی رہ چکے تھے۔

اب شاہی فوج ساری کی ساری تیار ہو کر میدان جنگ میں آپہنچی تھی۔ اور راجپوت کو اس وقت نہایت نرغہ میں پھنس گئے تھے اور ایک ایک کے مقابلہ پر دس دس تلواریں تھیں لیکن ان کے حوصلے بالکل پست نہ ہوتے تھے اور ان کی ہمتیں بدستور بلند تھیں۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہ تھی جنگ کا نتیجہ میدان میں قدم رکھنے سے پیشتر ہی ان کو معلوم تھا اور بچ کر نکل جانے کی ہرگز امید نہ تھی۔

دلاور راجہ ایک ادنےٰ سپاہی کی طرح تلوار مار رہا تھا اگرچہ اس کا نمک حلال سپہ سالار مان سنگھ اور بہت سے بھائی بند اس کے دیکھتے دیکھتے موت کے گھاٹ اتر چکے تھے لیکن اُف رے جوانمردی! اس کی پیشانی پر ایک شکن بھی تو نہ آیا!!!

وہ بدستور بڑی چستی اور پھرتی کے ساتھ سپاہگری کے کرتب دکھاتا رہا۔ اس کی تلوار اور تیروں نے غنیم کے سینکڑوں جوانوں کے خون پانی کی طرح بہا دیئے لیکن اب وہ وقت قریب آگیا تھا کہ قضا کا کبھی نہ خطا کرنے کا والا تیر اس کو بھی اپنا نشانہ بنائے وہ نہایت دلیری کے ساتھ ٹڈی دل غنیم کے مقابلہ پر ڈٹا کھڑا تھا کہ ایک تیر اندازکا تیر اس کی چھاتی پر آکر لگا اور اس کو ہمیشہ کے لئے میدان کارزار کی پاک اور پوتر زمین پر سلا گیا!!!

اب اتنی مہلت کہاں تھی کہ راجپوت اپنے بہادر راجہ کو خاک و خون میں غلطاں دیکھ کر رنج و غم کرتے یا اُس کی لاش کو لے کر میدان سے نکل جاتے بلکہ انہوں نے فوراً اس کے چتر اور پھریرے کے نیچے اس کے ولیعہد اور دلیر فرزند رام سنگھ کو اپنا افسر مقرر کیا اور پہلے سے بھی کہیں زیادہ جوش کے ساتھ لڑنے اور مرنے

گئے لیکن آہ! اولاور رام سنگھ بھی زیادہ عرصہ تک اس عہدہ پر ممتاز نہ رہ سکا۔ اور قضا کے کبھی نہ رُکنے والے ہاتھ نے اس کو بھی فرش زمین پر سُلا دیا!!!

سپہ سالار۔ راجہ اور ولیعہد کے اس طرح شہید ہو جانے سے راجپوتوں کے دل پر سخت صدمہ پہنچا لیکن انھوں نے نہایت ضبط سے اس کو برداشت کیا اور تلواریں کھینچ کر غنیم کے لشکر میں کود پڑے۔ چند منٹوں کے لئے پھر وہی گھمسان کا رن تھا لیکن اب ان کی تعداد بہت کم رہ گئی تھی اور مسلمانوں کے لئے ان چند جانوں کو تلواروں کی باڑھ پر رکھ لینا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ یہ خوفناک لڑائی بہت تھوڑی دیر میں ختم ہو گئی اور قلعہ اہور کے تمام راجپوت ایک ایک کر کے کٹ گئے لیکن اپنے مرنے سے پہلے چوگنی تعداد دشمنوں کو بھی زمین پر لٹا گئے!!!

آفتاب کی زرد کرنیں یہ مہیب نظارہ دیکھ رہی تھیں۔ اب اس سنسان میدان میں وہ صبح کا جوش و خروش بالکل نہ تھا۔ چاروں طرف خاموشی تھی۔ ہاں! کبھی کبھی مسلمان سپاہیوں یا افسروں کی آوازیں ہوا میں مل کر گونج اٹھتی تھیں۔

آہ! راجپوتوں کی لاشیں بڑی بیکسی کے عالم میں قلعہ اہور کے سامنے کھلے میدان میں پڑی تھیں۔ جن کے سرہانے ماتم کرنے والا سوائے رنج و غم۔ حسرت اور بیکسی کے کوئی بھی نہ بچا تھا۔ آہ! اب کوئی بھی نہ تھا جو ان کی اس دردناک حالت پر دو آنسو بہاتا!!!

اسلامی سپاہ میں تقریباً راجپوتوں سے چوگنی تعداد کام آ گئی تھی جس میں بڑے بڑے جہاندیدہ اور تجربہ آزما افسر بھی شامل تھے لیکن فتح کی مسرت نے ان تمام نقصانات کی کافی سے زیادہ تلافی کر دی تھی اور ان جان سے گذر جانے والوں کا کسی کو بھی افسوس نہ تھا۔

فتحیاب مگر سنگدل اور مغرور بادشاہ احمد شاہ پربت سنگھ کی لاش پر آیا۔ اس نے نہایت حقارت سے اس کی طرف دیکھا۔ اور تلوار کے قبضہ سے اس کے سر کو ٹھوکر دیکر دبی زبان سے چند کلمے کہے جو پورے طور پر سامعین کی سمجھ میں تو نہ آسکے لیکن جو الفاظ سمجھے گئے وہ یہ تھے۔

"پربت سنگھ!.......... ملعون!.......... تو اسی سزا کے قابل تھا.......... احمد شاہ کے ساتھ الجھ کر کیسا مزا دیکھا.......... کافر!.........."

مذکورہ بالا الفاظ نے حاضرین کے دلوں پر کیسا اثر کیا ہوگا اس کا اندازہ ہمارے ناظرین خود لگا سکتے ہیں۔ ممکن ہے کہ انہوں نے بھی اپنے بادشاہ کو خوش کرنے کے لئے ایسا ہی راگ الاپا ہو لیکن انصاف پسند ناظرین بادشاہ کی اس حرکت کو کبھی بھی وقعت کی نگاہ سے نہ دیکھیں گے۔ ایک بہادر سپاہی کی لاش کو یوں ٹھوکر دیکر اس بدزبانی سے کام لینا یا اس کی شان میں کوئی نادا جب لفظ کہنا کام جوانمردوں کا نہیں۔ سپاہی کی قدر سپاہی جانتا ہے لیکن افسوس ہے کہ احمد شاہ نے اپنے بہادر دشمن کو آخری سٹیج پر دیکھ کر اس کے ساتھ کسی قسم کی ہمدردی ظاہر کرنے کی نسبت ایک ایسی حرکت کی جس کو ایک ادنےٰ سے ادنےٰ سپاہی بھی پسند نہ کریگا۔

روسی جرنیل سٹوسل نے پورٹ ارتھر میں دس مہینے تک جاپانیوں کا جان توڑ مقابلہ کیا۔ جاپانیوں کے ہزارہا جوان اس جنگ میں کام آئے۔ لیکن یکم جنوری ۱۹۰۵ء کو جب سٹوسل نے مایوس ہو کر جنرل نوگی کے آگے ہتھیار ڈال دینے کی درخواست کی تو جو کچھ سلوک جاپانیوں نے اس کے ساتھ کیا دنیا بھر کے اخبارات میں اس کی تعریف گونج رہی

ہے۔ شہنشاہ جاپان نے بذریعہ تار اپنے افسروں کو ہدایت کی کہ سٹوسل نے چونکہ بڑی بہادری سے ہمارا مقابلہ کیا ہے اور اس نے اپنے بادشاہ کے لئے نہایت استقلال سے اپنے فرض کو نبھایا ہے اس لئے اس کی اس جوانمردی کے صلہ میں اس کی خاص طور پر عزت کی جائے اور اس کے اعزاز میں ذرا بھی فرق نہ آنے پائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اِس وقت اگر احمد شاہ موجود ہوتا تو اس کی آنکھیں کھل جاتیں کہ بہادر کس طرح اپنے بہادر دشمن کے ساتھ سلوک کیا کرتے ہیں۔

مختصر یہ کہ بادشاہ نہایت شان و شوکت کے ساتھ قلعہ لاہور میں داخل ہؤا۔ لیکن اس وقت وہاں رکھا ہی کیا تھا۔ تمام عورتیں چتا کی نذر ہو چکی تھیں۔ زر و جواہرات آگ کے سپرد کر دیئے گئے تھے اور مردوں نے میدان جنگ میں اپنی زندگیوں کا خاتمہ کر دیا تھا۔ چاروں طرف خاک اُڑ رہی تھی۔ صحن قلعہ میں ایک حسرتناک سناٹا چھایا ہؤا تھا اور در و دیوار سے حسرت ٹپک رہی تھی!!!

اہل قلعہ کا انجام نہایت حسرتناک انجام تھا لیکن ان کی بہادرانہ شہادت اور ان کے استقلال کو دنیا صدیوں تک بھی فراموش نہ کر سکے گی اور ان کے نام شہرت کے آسمان پر آفتاب اور ماہتاب کی طرح اُس وقت تک چمکتے دکھائی دیں گے جب تک کہ انصاف پسند آنکھوں کی روشنی بالکل معدوم نہ ہو گی!!!

اس فتح کے بعد احمد شاہ کو اس گوہر نایاب کی یاد دامنگیر ہوئی جس کے لئے اس نے ہزارہا بندگان خدا کے خون سے زمین کا دامن رنگین کیا تھا۔ وہ ارکان دولت کو ہمراہ لئے ہوئے قلعہ میں داخل ہوا لیکن اس کی حیرت اور استعجاب کا کچھ ٹھکانہ نہ تھا جب اس نے دیکھا کہ قلعہ کی تمام عورتیں چتا کی نذر ہو چکی ہیں اور سوائے راکھ کے ڈھیر کے ان کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہا۔

فتح یاب فریق نہایت شوق سے قلعہ کے اندر داخل ہوا تھا اور اس کو امید تھی کہ راجپوتوں کے مال واسباب سے وہ مالا مال ہو جائیں گے۔ لیکن انہیں بڑی حسرت کے ساتھ محروم رہنا پڑا کیونکہ تمام اسباب عورتوں کے ساتھ ہی آگ کے حوالے کر دیا گیا تھا۔

قلعہ کا یہ عالم دیکھ کر اسلامی سپاہ کے سامنے ایک عبرت ناک منظر کھچ گیا اور نہایت حیرت کے ساتھ کھڑے ہو کر اس کو دیکھنے لگے۔

احمد شاہ کے دل سے بے اختیار ایک آہ نکلی اور نہایت ہی مایوسی کے عالم میں یہ الفاظ اس کی زبان سے سنائی دیئے۔

"آہ! جس ایلا وتی کے لئے میں نے یہ تمام تکلیفیں سر پر اٹھائیں جس کے واسطے ہزاروں آدمیوں کا خون بہایا اور ایسے فعل کا مرتکب ہوا جس کے بدلے میرا نام تاریخ کے صفحوں پر ظالم اور ستمگر جیسے ناپسندیدہ

الفاظ کے ساتھ لکھا جائیگا وہ بھی میرے ہاتھ نہ آئی؟"
اس کے بعد اس نے تمام افسروں کو حکم دیا کہ اچھی طرح تفتیش کرکے اس بات کی صحیح رپورٹ حضور میں گزرانیں کہ آیا لیلاوتی واقعی چتا میں جل چکی ہے۔

حکم کا ملنا تھا کہ سپاہی چاروں طرف دوڑے مگر ہر ایک کو ناکامی رہی اور نہایت ہی افسوسناک وقت تھا جب انہوں نے واپس آکر احمد شاہ سے بیان کیا۔ "جہاں پناہ! قلعہ میں اب کسی متنفس کا پتہ نہیں ملتا۔ جتنی عورتیں یہاں موجود تھیں وہ سب ستی ہوگئیں جو باقی بچی تھیں وہ جنگ کی نذر ہوئیں اب اس مقام پر کسی عورت کا بھی نام و نشان نظر نہیں آتا"

اس منحوس خبر کو سُن کر احمد شاہ کو کمال رنج ہوا لیکن دوسرے دن ایک جاسوس حاضر ہوا اور کچھ عرض کرنے کی اجازت مانگی۔

احمد شاہ۔ اچھا! تو کہو۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟

جاسوس۔ حضور! میں ایک نہایت عمدہ خوشخبری حضور کو سنایا چاہتا ہوں!

احمد شاہ۔ (جلدی سے) وہ خوشخبری کیسی ہے؟

جاسوس۔ وہ یہ ہے کہ لیلاوتی قلعہ کی عورتوں کے ساتھ جلنے سے بچ رہی ہے اور ابھی تک صحیح و سلامت موجود ہے۔

احمد شاہ۔ (خوش ہوکر) ہاں! تو وہ کہاں ہے؟

جاسوس۔ مجھے ایک معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ پربت سنگھ نے قلعے کا محاصرہ کئے جانے سے پیشتر ہی اس کو بھیم سنگھ کے پاس بھیجدیا تھا۔

احمد شاہ۔ کیا تم سچ کہتے ہو؟

جاسوس۔ میری یہ مجال ہی کہاں کہ میں حضور کے سامنے جھوٹ بول سکوں۔

احمد شاہ۔ بہت بہتر! اگر تمہارا کہنا سچ نکلا تو تم کو خاص طور پر انعام و اکرام دیا جاویگا۔ ہاں! وہ بھیم سنگھ کون ہے اور کہاں رہتا ہے؟

جاسوس - وہ بھی ایک راجپوت رئیس ہے اور یہاں سے صرف دس میل کے فاصلہ پر اس کی گڑھی (چھوٹا سا قلعہ ہے) ہے۔

احمد شاہ - بہت بہتر!!

اسکے بعد احمد شاہ نے فوراً کوچ کا حکم دیا اور تمام سپاہ دل بادل کیطرح اُمڈتی ہوئی شام تک گڑھی بھیم سنگھ پہنچگئی اور چاروں طرف گھیرا ڈال دیا۔

بھیم سنگھ اگرچہ ایک معمولی رئیس تھا اور احمد شاہ کے مقابلہ میں اسکی کچھ بھی بساط نہ تھی لیکن اسنے ارادہ کر لیا کہ وہ جیتے دم تک لیلاوتی کی حفاظت کریگا اور جبتک اسکی جان میں جان ہے اُس کو بادشاہ کے ہاتھ میں نہ پڑنے دیگا۔

اپنے خیال کو بالکل مضبوط کرکے وہ لیلاوتی کے پاس آیا - یہ بیچاری اپنے باپ اور بھائی کے قتل اور قلعہ امور کی تباہی کا حال سُنکر نہایت غمگین حالت میں بیٹھی تھی لیکن بھیم سنگھ کی چونکہ وہ اپنے باپ کے برابر عزت کرتی تھی اسلئے بہت جلد اپنے آپکو سنبھالا اور نہایت تپاک سے اسکو ملنے کے لئے اپنی جگہ سے اٹھی۔

بھیم سنگھ - لیلاوتی! کیوں تو اسقدر اداس کیوں ہے؟ میں جانتا ہوں کہ تجھے اپنے باپ اور بھائی کے قتل ہونے پر سخت صدمہ پہنچا ہے لیکن تجھے خوش ہونا چاہیے کہ انہوں نے ایک بہادر چھتری کیطرح اپنا فرض ادا کرتے ہوئے جانیں قربان کیں ہیں اگرچہ ہمارے نزدیک اب وہ اس دنیا پر موجود نہیں ہیں لیکن یاد رکھو کہ اُنکے نام صفحہ ہستی پر ہمیشہ کے لئے نہ مٹنے والی سیاہی سے لکھے گئے ہیں اور حشر تک ان کی یاد اہل دنیا کے دلوں سے دور نہ ہوگی - موت سب کے لئے لازمی ہے لیکن چھتری کی وہ موت جو اسکو میدان جنگ میں آئے موت نہیں کہلاتی۔

لیلاوتی - نہیں! میں اداس ہرگز نہیں ہوں لیکن اتنا افسوس ضرور ہے کہ کاش میں اس خاندان میں پیدا ہی نہ ہوتی - نہ میں ہوتی نہ یہ مصیبت میرے خاندان پر آتی - کیا کوئی شخص بھی اس بات کا یقین کر سکتا ہے کہ یہ تمام تباہی جو میرے خاندان پر آئی ہے اس کا باعث

میں نہیں ہوں؟

بھیم سنگھ۔ یہ درست ہے لیکن جب تقدیر کو یہی اسی طرح منظور تھا تو کون اس کو ٹال سکتا تھا۔ خیر! اب تجھے اس قدر افسردہ ہونا مناسب نہیں جو کچھ ایشور کی مرضی تھی وہی ہوئی اور آئندہ بھی جو کچھ وہ چاہے گا کرے گا۔ ابھی تم کو اپنے دل پر مزید جبر کی ضرورت ہے۔ تمہیں ایک اور وحشت خیز خبر کے سننے کے لئے تیار ہونا چاہیئے۔

لیلا وتی۔ (حیران ہوکر) وحشت خیز خبر! اب اس سے بڑھ کر بڑی خبر اور کون سی ہے جس کو میں سنوں گی۔

بھیم سنگھ۔ وہ یہ ہے کہ اب احمد شاہ نے یہاں پہنچ کر ہماری گڑھی اس کو بھی گھیر لیا ہے اور چاہتا ہے کہ......

لیلا وتی۔ (قطع کلام کرکے) لیلا وتی کو اس کے حوالہ کر دیا جائے۔

بھیم سنگھ۔ ہاں! وہ یہی چاہتا ہے لیکن بھیم سنگھ کے جیتے جی وہ اپنے اس ارادہ میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

لیلا وتی۔ تو کیا اس کی سپاہ یہاں بھی پہنچ گئی ہے۔ مجھے تو اس کی خبر ہی نہیں ہوئی۔

بھیم سنگھ۔ تمہیں خبر ہی کس طرح ہوتی۔ تم تو تمام دن اپنے کمرے کے اندر پڑی رہتی ہو۔ آج شام کے قریب اس کی سپاہ نے گڑھی کے گرد آکر ڈیرے ڈال دیئے ہیں ؛

لیلا وتی۔ تو پھر اب کیا کیا جاوے گا؟

بھیم سنگھ۔ وہی جو کہ ایک راجپوت کے شایان ہے۔

لیلا وتی۔ لیکن آپ میں تو اس کے مقابلہ کی قدرت نہیں ہے ؛

بھیم سنگھ۔ قدرت کیوں نہیں ہے؟

لیلاوتی۔ اس کے ساتھ کتنی سپاہ ہے؟

بھیم سنگھ۔ اس کا صحیح اندازہ تو معلوم نہیں ہو سکا لیکن سات ہزار سے کم کسی صورت بھی نہ ہوگی۔

لیلاوتی۔ لیکن ہماری گڑھی کے اندر جو راجپوت ہیں ان کی تعداد مشکل سے پانچ سو تک پہنچتی ہے۔

بھیم سنگھ۔ یہ سچ ہے لیکن راجپوتوں کو اس تفاوت کی پرواہ ہی کیا ہے!

لیلاوتی۔ لیکن یہ تو صاف ظاہر ہے کہ آپ زیادہ سے زیادہ جان دے دینے کے علاوہ اور کچھ نہ کر سکیں گے۔

بھیم سنگھ۔ تو اور ہو ہی کیا سکتا ہے۔

بھیم سنگھ کے اس جواب پر لیلاوتی کا سر جھک گیا وہ چند منٹ تک کچھ سوچتی رہی۔ آہ! بیچاری کا حسن ہی بلائے جان ہو گیا۔ صرف اسی کے لئے نہیں بلکہ اُس کے سارے خاندان کے لئے! اب اُسے کوئی بھی حامی اور مددگار نظر نہ آتا تھا۔ بس اس وقت دو ہی صورتیں تھیں اور دونوں نہایت مشکل تھیں۔ پہلی تدبیر یہ تھی کہ وہ اپنی تلخکامی سے مجبور ہو کر اپنی جان شیریں کو خودکشی کے حوالے کر دے اور اس پر کاربند ہونے کے لئے وہ اکثر طیار بھی ہو جایا کرتی تھی دوسری تدبیر یہ تھی کہ وہ احمد شاہ کی درخواست کو منظور کر لے مگر آہ! یہ کیسی شرمناک تدبیر تھی۔ لیلاوتی جس کی رگوں میں راجپوتی خون جوش زن تھا ایسی بے غیرتی کو کیونکر گوارا کر سکتی تھی؟ گو لیلاوتی اس وقت بالکل بے بس تھی

مگر وہ کیونکر پسند کر سکتی تھی کہ وہ اپنے والدین کی عزت کو جس کے لئے انھوں نے اپنی جانیں میدان جنگ میں قربان کر دیں خاک میں ملا دے۔ وہ پہلے ہی سے غم والم کے ہاتھوں پامال تھی۔ بھیم سنگھ کی باتوں کو سن کر اور بھی بے قرار ہو گئی۔ اس کا چہرہ غیظ وغضب کی سرخی سے تمتما اٹھا اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے لیکن بہت جلد اس نے اپنی طبیعت کو سنبھالا اور نہایت متانت اور سنجیدگی سے بھیم سنگھ سے مخاطب ہوئی۔

لیلاوتی۔ لیکن میرے خیال میں اب زیادہ خونریزی بند ہونی چاہیئے۔

بھیم سنگھ۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ بالکل ناممکن!

لیلاوتی۔ نہیں یہ ناممکن نہیں ہے۔

بھیم سنگھ۔ وہ کس طرح؟

لیلاوتی۔ اس کا علاج یہ ہے کہ مجھے احمد شاہ کے حوالے کر دیا جائے۔

لیلاوتی کے اس فقرے نے غیرت مند بھیم سنگھ کے دل پر وہ اثر کیا جو شاید کسی غنیم کا زہر آلود تیر بھی نہ کر سکتا۔ اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ اس کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے اور اس کے چہرہ سے مارے غصے کے لہو پھوٹنے لگا۔

بھیم سنگھ۔ ہائیں! لیلاوتی! میں تمہارے منہ سے یہ کیسے الفاظ سن رہا ہوں!!! تو نے یہ کیا کہا؟ کیا میرے کانوں نے تیری بات کو غلط تو نہیں سنا؟

لیلاوتی۔ نہیں! یہ غلط نہیں ہے۔ میں جو کچھ کہتی ہوں مصلحت وقت کے بالکل مناسب اور عین مناسب ہے۔

بھیم سنگھ - توکیا پریت سنگھ کی لڑکی اپنے باپ کے قاتل - اپنے بھائی کی روح قبض کرنے والے اور اپنے ہزار ہا بھائی بندوں کو آب شہادت پلانے والے مسلمان بادشاہ کے ساتھ جانے کے لئے رضامند ہے ؟ نہیں ! ایسا کبھی نہیں ہوسکتا ! لیلاوتی تو درحقیقت اس وقت ہوش میں نہیں ہے - آہ ! مصیبت نے تیرے حواسوں کا ستیاناس کردیا ہے ! بے شک تو اس وقت آپے آپ میں نہیں ہے !!!

لیلاوتی - نہیں ابھی تک میرے ہوش و حواس میں مطلق فرق نہیں آیا - میں دیکھتی ہوں کہ اب میری قوم میں سے کوئی بھی مجھے بادشاہ کے ہاتھوں سے بچا نہیں سکتا - عنجو ارماں جلتی آگ کی نذر ہوئی - باپ بھائی اور میرے تمام رشتہ دار میدان جنگ میں کام آئے - اب آپ بھی اس کے مقابلہ کا خیال ترک کردیں اور میرے بدلے ناحق اپنی جان کو خطرہ میں نہ ڈالیں - میری قسمت میں ایسا ہی لکھا تھا !!! چونکہ بادشاہ نے پختہ ارادہ کرلیا ہے کہ وہ مجھ سے شادی کرے گا اس لئے اُس کی خواہش کو پورا ہونے دو -

لیلاوتی کا یہ جواب سُن کر بھیم سنگھ کو سخت افسوس ہوا - واقعی لیلاوتی کی یہ حرکت بالکل نازیبا حرکت تھی - احمد شاہ اُس کے باپ بھائی اور اس کے خاندان کا قاتل تھا - اُس کی تلوار اُس کے تمام عزیزوں کے خون میں نہا چکی تھی - ہائے ! اس وقت لیلاوتی کی قومی حمیت کو کیا ہوگیا ؟ وہ راجپوتی خون جو اس کی رگوں میں گردش کرتا تھا یکدم کیوں منجمد ہوگیا ؟ آہ ! اسے اپنی عفت و عصمت کا خیال یک لخت کیوں جاتا رہا ؟ آہ ! آج تک تو وہ اپنی

اور آپنے خاندان کی عزت کو بچانے کے لئے جان تک دے ڈالنے کو تیار تھی لیکن اس وقت اُس کے خیالات یک لخت پلٹا کیوں کھا گئے !!!

بھیم سنگھ - کیا میں خواب تو نہیں دیکھ رہا ہے کیا پربت سنگھ کی لڑکی درحقیقت آپنے باپ کے قاتل آپنی قوم کے دشمن اور آپنے خاندان کے تباہ کرنیوالے ظالم احمد شاہ کے ساتھ جانے کو تیار ہے؟

لیلاوتی - آپ میری اس تجویز کو سنکر ہرگز ہراساں نہوں - لیلاوتی کوئی ایسی حرکت ہرگز نہیں کرسکتی جس سے اُسکے خاندان یا اُسکے مرحوم باپ کی عزت میں کچھ فرق آوے۔

بھیم سنگھ - لیکن یہ معمہ میری سمجھ میں نہیں آیا - اسکا مطلب صاف صاف الفاظ میں بیان کرو۔

اسکے بعد لیلاوتی نے چپکے چپکے اُس سے چند باتیں کیں جنکو سنکر بھیم سنگھ کے چہرے پر شانتی کے آثار دکھائی دینے لگے - اُسکا غصہ بالکل جاتا رہا اور نہایت محبت اور اطمینان کے ساتھ ذیل کے الفاظ کہتا ہوا باہر چلا گیا -

"بیشک یہ تجویز ہے تو بڑی عمدہ بشرطیکہ ہمیں پوری پوری کامیابی حاصل ہو جائے"۔

بھیم سنگھ اور لیلاوتی کے درمیان آخری باتیں کیا ہوئی تھیں ابھی انکا بیان کرنا کچھ ضروری نہیں البتہ آئندہ باب میں اسکا سارا راز ناظرین پر روشن ہو جائیگا۔

اگرچہ تمام راجپوت اس تجویز کے سخت برخلاف تھے مگر بھیم سنگھ نے بغیر کسی قسم کی حیل وحجت کے لیلاوتی کو احمد شاہ کے حوالے کر دیا اور وہ نہایت مسرت کے عالم میں فتح کے نشان اُڑاتا ہوا آپنے ملک کو پلٹ گیا۔

لیلاوتی کی اس حرکت سے تمام دنیا حیران تھی اور لوگ تعجب کرتے تھے کہ کس طرح وہ ایک غیر مذہب کے بادشاہ کے ساتھ شادی کرنے پر رضامند ہو گئی - جس نے اُس کے خاندان کو تباہ کر دیا ہے۔ اور جس کے ہاتھ ابھی تک اُس کے باپ اور بھائی کے خون سے لال ہیں !!!

بارہواں باب

کرن دیوی

آج ہم اپنے ناظرین کو ایک بار پھر اسی سنو لیک نامی جھیل پر لیجانا چاہتے ہیں
جہاں کہ وہ ایک چاندنی رات کیوقت احمد شاہ کو ایک کشتی میں سیر کرتے دیکھ
چکے ہیں اور جس کا ذکر پہلے باب میں ہو چکا ہے۔

اسی جھیل کے کنارے پر جو سنگ مرمر کا خوشنما محل ہے اسکے ایک نفیس اور
شاہی ساز و سامان سے سجے ہوئے کمرے میں حسین لیلاوتی ایک خوشنما پلنگڑی
پر لیٹی ہوئی نظر آ رہی ہے۔ اگرچہ آپکا دل اب اسکی طرف سے متنفر ہو گیا ہوگا۔
اور ممکن ہے کہ اب آپ اسکی شکل تک بھی دیکھنا پسند نہ کرتے ہوں کیونکہ ایسا
ایسی ننگ خاندان لڑکی جسنے اپنے خاندان کے غارت کرنیوالے مسلمان بادشاہ
سے شادی کرنیکی صرف رضامندی ہی ظاہر نہ کر دی ہو بلکہ وہ اسکے ساتھ
بھی چلی آئی ہو اس قابل نہیں کہ کوئی غیرتمند آدمی اسکی شکل تک دیکھنا بھی
پسند کرے لیکن پھر بھی اگر مرضی ہے نہیں تو ہمارے کہنے سے ہی آپ
ایک دفعہ اسکے پاس ضرور چلیں اور دیکھیں کہ وہ اسوقت کسحالت میں ہے۔
ہائیں! اسکی حالت تو نہایت ہی پریشان دکھائی دے رہی ہے! اس کا
باعث کیا ہے؟ یہ تو خود اپنی مرضی سے احمد شاہ کے حرم میں داخل ہونیکے لئے
آئی تھی۔ اسنے اپنے خیالات کو یکلخت پلٹ کر اور بادشاہ کے ساتھ بخوشی
جانیکا ارادہ ظاہر کر کے دنیا کو حیرت میں ڈالدیا تھا۔ پھر اسوقت اسکی اداسی
کا باعث کیا ہے؟ ذرا دیکھنا تو سہی! اسکی آنکھیں کسطرح سرخ ہو رہی ہیں اور
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ دیر سے پڑی رو رہی ہے۔ یہ بھی ایک معمہ ہے اور اسکا
حل اسی باب میں ہونیوالا ہے آپ ذرا صبر کیجئے اس تکمیل کا بھی ملاحظہ کریں وہ

دیکھئے سامنے سے بادشاہ کی ایک خاص خادمہ کمرے میں داخل ہوئی جسکو دیکھتے ہی لیلاوتی نے فوراً اپنے آپکو سنبھالا۔ آنکھوں سے چھل چھل کرکے آنیوالے آنسوؤں کو دوپٹہ کے آنچل سے صاف کیا اور اب اسطرح اپنی جگہ پر بشاش صورت بن کر بیٹھ گئی ہے کہ گویا وہ کبھی رنجیدہ تھی ہی نہیں۔

خادمہ۔ (آگے بڑھکر) رانی صاحبہ! بادشاہ کا حکم ہے کہ آج رات نکاح کی رسم ادا ہو جائے اِس لئے تم کو ہر طرح سے تیار رہنا چاہیئے۔

لیلاوتی۔ تو مجھے عذر ہی کس بات کا ؟ میں بھی بادشاہ کے حکم سے باہر نہیں ہوں میری طرف سے انکی خدمت میں عرض کرو کہ وہ خوشی سے شام کیوقت تشریف لے آئیں البتہ میری ایک خواہش ہے جسکو پورا کرنیکے لئے امید ہے کہ بادشاہ کو کچھ بھی دریغ نہ ہوگا۔

خادمہ۔ وہ آپکی کونسی ایسی خواہش ہے جسکو بادشاہ پورا نہیں کر سکتے ؟

لیلاوتی۔ کچھ ایسی مشکل خواہش نہیں۔ ہمارا خاندانی رواج یہ ہے کہ شادی کے وقت دُلھن دولھا کیواسطے اپنے ہاتھ سے جوڑا تیار کرکے بھیجے چنانچہ مینے بھی اپنے ہاتھوں بادشاہ کے لئے نہایت شوق سے یہ سُرخ جوڑا تیار کیا ہے اور امید ہے کہ بادشاہ اسی کو زیب تن فرمائیں گے۔

خادمہ۔ تو یہ کونسی مشکل بات ہے۔ غالباً وہ اِسے بڑی خوشی سے منظور کرینگے۔

لیلاوتی۔ (جوڑا خادمہ کے ہاتھ میں دیکر) تو تم اسکو لیجاؤ۔ اور بادشاہ کی خدمت میں پیش کرکے میری طرف سے اس کے قبول کرنے کی التجا کرو۔

خادمہ نے جوڑا اٹھایا اور نہایت خوشی کے عالم میں مسکراتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

جوڑا احمدشاہ کے پاس پہنچا دیا گیا اور لیلاوتی کی خواہش بھی ظاہر کر دی گئی جسکو اسنے کمال خوشی سے منظور کر لیا۔ اسکا دل فرط مسرت سے بلیوں اُچھلنے لگا۔ کامرانی اور شادمانی کی مجسم تصویریں اسکی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگیں اور اسکے زردی مائل رخسار و پیشانی پر کبر سنی اپنے نقش و نگار کئے ہوئے تھی شہابی رنگ اپنی بہار

دکھانے لگا۔ چنانچہ اسنے چند معتمد امرا کو طلب کیا اور نہایت شان و شوکت کے ساتھ شادی کا اہتمام کرنیکا حکم دیا۔

آفتاب غروب ہو گیا مگر رات کی تاریکی ابھی اچھیطرح پھیلنے نہ پائی تھی کہ شاہی محل مومی شمعدانوں اور بیش قیمت جھاڑوں اور فانوسوں سے جگمگ جگمگ کرنے لگا۔ سنگ مرمر کا خوشنما محل آج بڑی خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ اس ایوان کے کئی حصے تھے اور آج سب میں کچھ عجب دلفریب رونق لگئی تھی۔ تمام کمرے سلطانی حرم اور خدام سے زینت یاب تھے لیکن درمیان کا بڑا کمرہ رسومات شادی کو ادا کرنیکے لئے خاص طور پر سجایا گیا تھا۔

آخر کار بادشاہ شادی کا وہ سرخ جوڑا جو لیلا وتی نے بھیجا تھا پہنے ہوئے بڑی تمکنت سے اس کمرے میں وارد ہوئے اور حکم دیا کہ لیلا وتی کو بھی لایا جاوے۔ لیکن خادمہ نے واپس آکر عرض کیا کہ لیلا وتی حضور کو بالاخانہ پہ یاد کرتی ہے۔

عشق کا بھوت ایک زبردست بھوت ہے یہی جن احمد شاہ کے سر پر بھی سوار تھا اور اسپر ایسا قبضہ کر چکا تھا کہ اسکو اپنے جاہ و مراتب کا بھی کچھ خیال نہ تھا۔ لیلا وتی کا کہنا اسکے لئے قضا و قدر کا حکم رکھتا تھا اور جو کچھ وہ کہتی اسپر عمل کرنیکے لئے فوراً تیار ہو جاتا تھا وہ فوراً بالاخانے پر چڑھ گیا اسوقت لیلا وتی محل کے شہ نشین پر بیٹھی تھی نیچے جھیل کا شفاف پانی لہریں مار رہا تھا اور وہ ایک دلبرانہ انداز کے ساتھ اسکی طرف دیکھ رہی تھی۔ بادشاہ کو آتے دیکھ کر اسنے نہایت تپاک سے اسکا استقبال کیا اور بڑی عزت کے ساتھ مسند پر بیٹھا کر خود سامنے کھڑی ہو گئی۔

احمد شاہ۔ عین اسموقعہ پر جبکہ شادی کی رسومات ادا ہونیوالی ہیں اور تمام ضروری سامان مہیا ہے تمنے مجھے یہاں کیوں بلایا ہے؟

لیلا وتی۔ بیشک! اسوقت مینے آپکو بڑی تکلیف دی ہے جسکے لئے میں معافی مانگتی ہوں لیکن ...... (لیلا وتی خاموش ہو جاتی ہے)

احمد شاہ۔ کیوں خاموش کیوں ہو گئیں؟ لیکن کیا؟

لیلاوتی۔ اول میں دریافت کرنا چاہتی ہوں کہ آپ واقعی میرے ساتھ شادی کرنے کو تیار ہیں یا دل بہلانے کے لئے ایک شغل بنا رکھا ہے؟

احمد شاہ۔ (ہنسکر) خوب! تو ابھی تک تم اسکو ایک دل لگی ہی سمجھتی ہو لیلاوتی! تم میرے دلی راز سے ناواقف ہو ورنہ ایسا سوال کبھی نہ کرتیں (یکایک چونک کر) معلوم نہیں کہ میری طبیعت کیوں بے مزہ ہو رہی ہے!

لیلاوتی۔ (کسی قدر حیرانی سے) کیوں؟ کیا میری ایک دو باتوں سے ہی آپ کی طبیعت بے مزہ ہو گئی؟ آپ تو بڑی محبت ....

احمد شاہ۔ نہیں! اس بدمزگی کا باعث تمہاری باتیں نہیں ہیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرے بدن میں کچھ آگ سی لگ رہی ہے۔

لیلاوتی۔ گرمی کا موسم ہے اپنے نئے کپڑے پہنے ہوئے ہیں اسلئے پسینہ سے آپکی طبیعت ضرور گھبرا گئی ہوگی میں پنکھا کرتی ہوں آپ ذرا جھیل کا نظارہ لیں ابھی طبیعت درست ہو جائے گی۔

احمد شاہ۔ (نہایت بےچینی سے) اف! مجھے کیا ہو گیا میرے سارے جسم میں آگ پھنکتی جاتی ہے......

یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور صحن بالاخانہ پر نہایت بےچینی کے عالم میں ٹہلنے لگا لیکن طبیعت دمبدم پریشان ہوتی جاتی تھی وہ جلدی جلدی کپڑوں کو پھاڑ کر پھینکنے لگا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس پر دیوانگی کی حالت طاری ہو گئی ہے۔

لیلاوتی ایکطرف نہایت خاموشی کے عالم میں کھڑی یہ تماشہ دیکھتی رہی اسکا چہرہ فرط انبساط سے چمکتا جاتا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی دلی مراد کے بر آنے پر نہایت ہی خوشی محسوس کر رہی ہے آخر وہ ہنستی ہوئے بادشاہ کیطرف مخاطب ہوئی اور مسکرا کر کہنے لگی۔

لیلاوتی۔ بادشاہ سلامت! کیوں؟ ابھی سے اسقدر اضطرابی؟ رسوم شادی تو پوری ہو لینے دیجئے! کیا آپ نہیں سمجھتے کہ راجپوتنی کے ساتھ شادی کرنے کے لئے بڑے استقلال کی ضرورت ہے۔ ذرا اپنے آپ کو سنبھالئے تو!

احمد شاہ۔ (نہایت اضطرابی کے عالم میں) دغا! دغا! اے نابکار! یہ کیسا غضب کیا؟

لیلاوتی۔ ظالم بادشاہ! اب مجھے اسبات کے پوشیدہ رکھنے کی کچھ ضرورت نہیں کہ یہ جو کچھ کیا

تو مجھے ہی گیا ہو۔ تو نے اپنی سلطنت کے گھمنڈ اور زور بازو کے سہارے پر مجھے شادی کرنیکا خام خیال
اپنے دماغ میں پختہ کرلیا اور اسکو پورا کرنیکے لئے ایسے ذریعے استعمال کئے جو ایک بادشاہ کی شان کے
ہرگز شایان نہ تھے۔ تو نے میرے باپ اور بھائیوں کو قتل کیا میرے تمام خاندانکو تباہ کردیا لیکن یاد
رکھنا چاہیئے کہ ایشور کسی کو بھی اسکے بُرے کاموں کی سزا دیئے بغیر نہیں چھوڑتا۔ جب مینے دیکھا تو
کسیطرح میرا پیچھا چھوڑتا نظر نہیں آتا تو مینے ایک ایسے طریقہ سے تیرے مظالم کا بدلہ
لینا چاہا جسکو ایک معمولی عقل کا انسان بھی سمجھ سکتا تھا لیکن افسوس کہ تیری آنکھوں پر
غفلت کی پٹی بندھی تھی تجھے کچھ بھی سجھائی نہ دیا کیا تو نہیں سمجھتا تھا کہ لیلاوتی کا اپنے خاندانی
دشمن اور اپنے بھائی کے قاتل کے ساتھ شادی کرنے پر راضی ہوجانا ضرور کچھ معنے رکھتا
ہوگا۔ اگرچہ میری اس کارروائی نے مجھے تمام راجپوتوں کی نظروں سے گرادیا ہوگا اور وہ
مجھے نہایت نا ملایم الفاظ سے یاد کرتے ہونگے لیکن جب انہیں معلوم ہوگا کہ میری
یہ حرکت محض اپنے خاندان کا بدلہ لینے کے لئے تھی تو وہ ضرور خوش ہونگے۔ یہ کپڑے
جو تو نے پہنے ہوئے ہیں زہرآلودہ ہیں اور پسینہ آنے پر یہ زہر تیرے جسم میں اچھی
طرح سرایت کرچکا ہے اب یہ ناممکن ہے کہ تو اسکے زہریلے اثر سے محفوظ رہ سکے۔ اب
تو کبھی بھی جانبر نہیں ہوسکتا۔ تیری زندگی اب صرف چند منٹوں کیلئے ہے لہذا میں
تجھے مشورہ دیتی ہوں کہ اخیر وقت میں اپنے گناہوں کی بابت خدا سے معافی مانگ
تاکہ تیری روح عاقبت کے عذاب سے محفوظ رہ سکے۔

احمد شاہ اگرچہ ایک جری سپاہی تھا لیکن موت کا مقابلہ ہر شخص آسانی سے نہیں کرسکتا ہے
خصوصاً گنہگار روحوں کے لئے تو یہ ساعت بڑی ہی عبرتناک ساعت ہوتی ہے۔ وہ بڑے زور سے چلانے لگا
اور چند منٹ تک ادھر ادھر دوڑنے کے بعد لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑا اور گرتے ہی دم نکل گیا!!!
لیلاوتی نے نہایت شانتی کے ساتھ بادشاہ کو جان توڑتے اور ہاتھ پاؤں مارتے دیکھا
اور جب اُسکی نعش بالکل ٹھنڈی ہوگئی اور اُسے پختہ یقین ہوگیا کہ اب اسمیں کچھ بھی باقی
نہیں رہا تو وہ بھی شہ نشین پر چڑھ کر یکایک جمنا میں کود گئی اور ہمیشہ کے لئے دنیا
کی نظروں سے غائب ہوگئی!!!

تمام شد

دانتوں کا خوشبودار منجن

جب دانتوں کی ساخت میں کسی قسم کا فرق آجاتا ہے تو ساتھ ہی کھانے پینے کا لطف بھی جاتا رہتا ہے غذا کے اچھی طرح نہ چبائے جانے سے کئی ایک مہلک بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں اور بہلد ہی زندگی کا قبل از وقت خاتمہ کر دیتی ہیں۔ اس منجن کے استعمال سے دانت موتیوں کی مانند چمکیلے اور آبدار رہتے ہیں اور کسی قسم کی بیماری نزدیک تک نہیں آتی۔ قیمت فی بکس جو سال بھر کے لئے کافی ہے معہ محصولڈاک ۱۲ ؍

بے نظیر سرمہ

آنکھیں بڑی نعمت ہیں اور ہر شخص کا فرض ہے کہ انکی حفاظت کو تمام دیگر اعضا سے مقدم سمجھے۔ اس سرمہ کے استعمال سے آنکھیں ہمیشہ ٹھنڈی رہتی ہیں۔ اور بصارت میں کبھی فرق نہیں آتا۔ یہ سرمہ ہر قسم کے آشوب چشم۔ جالا۔ دھند اور غبار وغیرہ کے لئے شرطیہ علاج ہے قیمت فی تولہ معہ محصولڈاک عہ ر

بال اڑانے کا پوڈر

آجکل کئی قسم کے پوڈر فروخت ہوتے ہیں لیکن اس پوڈر کی بڑی خوبی جو کسی اور پوڈر میں نظر نہ آئیگی یہ ہے کہ اسکو خواہ کیسی نازک سے نازک جگہ پر استعمال کیا جاوے کسی قسم کی خراش یا جلن مطلق نہیں ہوتی۔ پانچ منٹ میں بال بالکل اڑ جاتے ہیں۔ جلد ریشم کیطرح ملائم ہو جاتی ہے اور کھونٹی بہت دنوں کے بعد نکلتی ہے۔ ان اصحاب کیواسطے جنکے لئے استرے کا استعمال مذہباً ممنوع ہے یہ پوڈر ایک نعمت غیر مترقبہ ہے نمونہ کی پڑیا محصولڈاک کیلئے ٹکٹ آنے پر مفت بھیجی جاتی ہے۔ قیمت فی بکس معہ محصولڈاک ۱ ؍

المشتہر ٹھاکر اچھر چند مالک راج کمار بک ایجنسی لاہور